تدبرِ قرآن

٩

التوبة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور اس پر بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ

یہ سورہ، جیسا کہ گروپ کی تمہید میں ہم عرض کر چکے ہیں، سورتوں کے دوسرے گروپ کی آخری سورہ ہے۔ اس میں اور انفال میں بالکل اسی نوع کا تعلق ہے جس نوع کا تعلق متن اور شرح یا تمہید اور اصل مقصد میں ہوتا ہے۔ سورہ انفال میں مسلمانوں کو جس جہاد کے لیے ظاہراً و باطناً منظم کیا گیا ہے اس سورہ میں اس کا اعلان فرما دیا۔ مصحف کی ترتیب میں اس سورہ پر بسم اللہ نہیں لکھی ہوئی ہے اور روایات سے ثابت ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے چلی آ رہی ہے جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اس پر بسم اللہ کا نہ لکھا جانا ایمائے الٰہی سے ہوا ہے۔ علمائے تفسیر نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ سب سے زیادہ قابلِ قبول توجیہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں عمود و مضمون کے لحاظ سے نہایت گہرا اتصال بھی ہے اور مقصد و غایت کے اعتبار سے فی الجملہ انفصال بھی۔ ایک کا رخ بالکلیہ مسلمانوں کی طرف ہے اور دوسری کا رخ اصلاً مشرکین، اہلِ کتاب اور منافقین کی طرف۔ ایک کی نوعیت تیاری کی ہے اور دوسری کی، جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں، الٹی میٹم اور اعلانِ جنگ کی۔ اشتراک و انفصال کے ان دونوں پہلوؤں کو ممیز کرنے کے لیے حکمتِ الٰہی مقتضی ہوئی کہ یہ سورہ سابق سورہ سے بالکل الگ بھی نہ ہو لیکن فی الجملہ نمایاں اور ممتاز بھی رہے۔ بسم اللہ نہ لکھے جانے سے یہ دونوں پہلو بیک وقت نمایاں ہو گئے۔ بسم اللہ، جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں، دو سورتوں کے درمیان علامتِ فصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس علامتِ فصل کے نہ ہونے سے دونوں کا معنوی اتصال نمایاں ہو گیا اور ساتھ ہی اس کے علیحدہ وجود نے اس کو علیحدہ نام دے دیا جس سے اس کی امتیازی خصوصیت بھی سامنے آ گئی۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

اس سورہ میں مطالب کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے ان تمام مشرکین سے اعلانِ براءت کیا ہے

جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امن و صلح کے معاہدے کیے لیکن ان کی خلاف ورزیاں کر کے وہ ان کو کالعدم کر چکے تھے۔ جنھوں نے اپنے معاہدے قائم رکھے تھے ان کے متعلق یہ اعلان فرمایا کہ مدت پوری ہو جانے کے بعد یہ معاہدے بھی ختم کر دیے جائیں اور ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک یہ اسلام نہ قبول کریں۔

اس کے بعد اہل کتاب کے متعلق یہ اعلان فرمایا کہ ان سے بھی جنگ کرو تا آنکہ یہ تمھاری ماتحتی قبول کرنے اور تمھیں جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہوں۔

اس کے بعد آخر سورۃ تک بڑی تفصیل کے ساتھ منافقین کا تعاقب کیا ہے اور ان کے باب میں بھی یہ ہدایت دی ہے کہ اب ان کا سختی سے محاسبہ کیا جائے، ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتی جائے تا آنکہ یہ یا تو سچے اور اچھے مسلمان بن جائیں یا پھر مشرکین اور اہل کتاب میں سے، جن کے ساتھ بھی ان کی وابستگی ہے، ان کے انجام میں یہ بھی شریک ہو جائیں۔

یہی تین گروہ اس وقت مسلمانوں کے کھلے یا چھپے دشمن تھے۔ ان تینوں کا ذکر پچھلی سورہ میں بھی آیا تھا لیکن ان کے باب میں قطعی پالیسی واضح نہیں ہوئی تھی۔ اس سورہ میں بالکل واضح ہو کر سامنے آگئی۔

اگرچہ سورہ کے نظام کو سمجھنے کے لیے یہ اجمالی نظر بھی کافی ہے تاہم سورہ کے مطالب کا تفصیلی تجزیہ بھی ہم کیے دیتے ہیں۔

(۱-۴) جن مشرکین نے معاہدہ کر کے درپردہ یا علانیہ اپنے معاہدے توڑ دیے تھے ان سے برأت ذمہ کا اعلان۔ ان کو چار مہینے کی مہلت اور مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ حج کے موقع پر یہ منادی کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اب ان کے معاہدوں کی ذمہ داری سے بری ہیں۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔ اگر انھوں نے توبہ نہ کی تو یاد رکھیں کہ وہ خدا کے قابو سے باہر نہیں جا سکتے۔ صرف وہ مشرکین اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جنھوں نے نہ تو اپنے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی کی ہے نہ مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی کوئی مدد کی ہے۔ یہ معاہدے قرارداد مدت تک باقی رکھے جائیں۔

(۵-۶) مسلمانوں کو یہ حکم کہ محترم مہینوں کے گزرنے کے بعد ان کے خلاف جنگی کاروائی کرو۔ ان کو پکڑو، گھیرو اور مارو اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑو جب تک یہ توبہ کر کے نماز نہ قائم کریں اور زکوٰۃ نہ ادا کریں۔ البتہ ان میں اگر کوئی شخص پناہ کا طالب ہو تو اس کو اتنی مہلت دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے اور پھر اس کو اس کے مأمن میں پہنچا دو۔ یہ رعایت ان کو اس لیے دی جائے کہ یہ امی لوگ رہے ہیں، ممکن ہے ان کو خدا کا کلام نہ پہنچا ہو۔

(۷-۱۶) مشرکین کے ساتھ آیندہ کوئی معاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے وجوہ کی تفصیل — مسجد حرام

کے پاس قریش سے جو معاہدہ ہوا ہے وہ بھی اسی وقت تک باقی رکھا جائے جب تک، وہ اس کو نباہتے ہیں۔ اگر وہ اس کو توڑ دیتے ہیں تو تم ان ائمہ کفر سے بھی جنگ کرو۔ قریش کے بعض سنگین جرائم کی طرف اشارہ۔ مسلمانوں کو بشارت کہ تم ان سے ڈرو نہیں، لڑو، تمہارے ہاتھوں اللہ ان مظلوم مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا جو ان ظالموں کی قساوت کا ہدف بنے۔

(۱۷-۲۲) مشرکین قریش کو بیت اللہ اور مساجد الٰہی پر قابض رہنے کا کوئی حق نہیں۔ مساجد الٰہی کے متولی اور منتظم وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے، نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلا دینا اور حرم کی کچھ دیکھ بھال کر دینا نیکی کے کام سہی لیکن یہ نیکیاں اللہ اور آخرت پر ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کا بدل نہیں ہو سکتیں۔

(۲۳-۲۸) مسلمانوں کو تنبیہ کہ ان لوگوں سے جنگ کرنے میں رشتہ و قرابت کا پاس ولحاظ مانع نہ ہو جو لوگ ایمان کے تقاضوں پر ان چیزوں کو ترجیح دیں گے ان کا شمار انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ اللہ اور رسولؐ کی محبت ہر چیز پر مقدم ہے۔ جنگ حنین اور پچھلے غزوات سے مسلمانوں کو سبق کہ اصل شے خدا کی مدد و نصرت ہے، پس اصلی بھروسہ خدا ہی پر ہونا چاہیے۔ یہ اعلان کہ مشرکین نجس ہیں۔ اس وجہ سے ان کو اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس پھٹکنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ مسلمانوں کو یہ اطمینان دہانی کہ اس کا جو اثر تجارت اور معاشی حالات پر پڑے گا اللہ اپنے خزانۂ جود سے اس کی تلافی فرمائے گا۔

(۲۹-۳۵) اہل کتاب سے جہاد اور ان کو ذمی بنا کر جزیہ وصول کرنے کا حکم۔ ان کے فساد عقائد اور فساد اخلاق کی طرف بعض اشارات۔ ان کے علماء اور صوفیا کے فاسد کردار اور ان کی اسلام دشمنی کا حوالہ۔

(۳۶-۳۷) مسلمانوں کو یہ تاکید کہ یہ جنگ و جہاد اگرچہ تمام مشرکین سے من حیث القوم ہو، کسی گروہ کے ساتھ رعایت نہ کی جائے، تاہم محترم مہینوں کا احترام ہر حال میں ملحوظ رہے۔ یہ محترم مہینے بحساب سال قمری ملت ابراہیمؑ کی یادگار ہیں۔ اگر تم نے ان کی حرمت کو بٹہ لگایا تو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنو گے۔ 'نسیئ' کی بدعت کی طرف اشارہ کہ اس بدعت نے ان مہینوں کو ان کے اصل مقام سے ہٹا کر موسموں کے ساتھ باندھ دیا اور یہ کفر میں ایک اضافہ ہے۔ تمہیں قمری مہینوں کے حساب پر، جو روز اول سے خدا کے مقرر کیے ہوئے مہینے ہیں، ان چار محترم مہینوں کی حرمت کو برقرار رکھنا ہے۔

(۳۸-۴۲) منافقین کو تنبیہ کہ تم جہاد سے جی چراتے ہو، یاد رکھو کہ اگر تم اسی طرح جی چراتے رہے تو تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑو گے، اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنو گے۔ خدا تمہاری جگہ اپنے دین کی نصرت کے لیے دوسروں کو اٹھا کھڑا کرے گا۔ یاد کرو کہ ایک دن وہ بھی گزرا ہے جب ہمارا رسول

ایک غار میں پناہ گیر تھا اور اس کے ایک ساتھی کے سوا اور کوئی بھی اس کے ساتھ نہ تھا لیکن پھر وہ دن بھی آیا کہ خدا نے اپنی طرف سے اس پر سکینت نازل فرمائی۔ غیبی فوجوں سے اس کی مدد فرمائی، کفر کا سر نیچا اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا۔ پس یہ خدا کی ضرورت نہیں بلکہ تمہاری اپنی سعادت ہے کہ جو سروسامان بھی میسر ہو اس کے ساتھ جہاد کے لیے اٹھو۔ منافقین کے جہاد سے جی چرانے اور جھوٹی قسموں کے بل پر بہانہ سازی کی ایک مثال۔

(۴۳ - ۴۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت آمیز عتاب کہ جہاد سے جی چرانے والوں کے جھوٹے عذرات تم قبول کر لیتے ہو حالانکہ یہ منافق لوگ ہیں۔ اگر یہ چاہیں تو جہاد کے لیے نکلنے کا سامان مہیا کر سکتے ہیں لیکن یہ جھوٹے بہانے بنا کر تمہاری نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(۴۷ - ۵۲) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی کہ جہاد کے لیے تمہارے ساتھ ان منافقین کے نہ نکلنے ہی میں خیر ہے۔ اگر یہ نکلتے تو کوئی نہ کوئی فساد ہی برپا کرتے۔ ان کے دلوں میں خیرخواہی کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ یہ تو ہر پہلو سے تمہارے لیے کسی مصیبت کے متمنی ہیں۔

(۵۳ - ۵۷) منافقین بادل ناخواستہ دین کے نام پر جو کچھ خرچ کرتے ہیں اللہ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ یہ اللہ و رسول کے منکر ہیں اور ان کا انفاق اور ان کی نماز سب محض نمائش ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کہ ان کے مال کو کوئی وقعت نہ دو اور ان کی رفاقت کی ذرا پروا نہ کرو۔ یہ بزدل اور ڈرپوک تمہارے ساتھی نہیں بن سکتے۔

(۵۸ - ۶۰) منافقین کے اس گروہ کی طرف اشارہ جو محض صدقات کے مال میں حصہ بٹانے کی حد تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی تھا۔ اگر خواہش کے مطابق پا جاتے تو راضی ورنہ پیغمبرؐ کے خلاف طرح طرح کی باتیں بناتے۔ صدقات کے اصل حق داروں کی تفصیل۔

(۶۱ - ۶۶) ان شریر منافقین کی طرف اشارہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کرتے کہ آپؐ کان کے کچے ہیں، لوگوں میں آپ کی رائے اور معاملہ فہمی کا مذاق اڑاتے، جب کسی بات پر گرفت ہوتی تو جھوٹی قسمیں کھاتے اور لاطائل صفائی پیش کرتے۔

(۶۷ - ۷۰) منافق مردوں اور منافق عورتوں کا کردار اور ان کا انجام دنیا اور آخرت میں۔

(۷۱ - ۷۲) مومنین اور مومنات کا کردار اور ان کی فوز و فلاح آخرت میں۔

(۷۳ - ۸۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کہ کفار کی طرح ان منافقین کے معاملے میں بھی اب سخت رویہ اختیار کرو کہ تمہاری نرمی سے فائدہ اٹھا کر یہ اسلام کے ساتھ چمٹے نہ رہیں۔ یہ جھوٹی قسموں کے پردے میں اپنے کفر کو چھپائے ہوئے ہیں۔ اللہ کے فضل اور رسول کی کریم النفسی نے ان کو اسلام دشمنی میں اور زیادہ دلیر بنا دیا ہے۔ انھوں نے وعدے کچھ کیے اور ان کا عمل اس

کے بالکل خلاف ہوا اور اس چیز نے ان کے نفاق کو پختہ سے پختہ تر کر دیا۔

(۷۹-۸۴) منافقین کی اس شرارت کا بیان کہ خود تو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور اگر اللہ کے مخلص اور غریب بندے اپنی گاڑھی کمائی میں سے خرچ کرتے ہیں تو ان کا مذاق اڑاتے اور ان کی دل شکنی کرتے ہیں۔ اسی طرح خود تو جہاد میں نکلنے کے بجائے گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں اور جو اللہ کے بندے نکلتے ہیں ان کو گرمی اور سردی کے ڈراوے سنا سنا کر بٹھا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان اشرار کے بارے میں وعیدِ الٰہی کا بیان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے دعا و استغفار کرنے کی شدید ممانعت۔

(۸۵-۹۶) دین کے مطالبات سے جی چرانے والوں کے جھوٹے عذرات کی طرف اشارہ سچے اہلِ ایمان کے کردار کا بیان۔ ان معذورین کی تفصیل جن کا عذر قابلِ قبول ہے۔ عذر تراشوں اور بہانہ بازوں کو یہ دھمکی کہ اگر تم پیغمبرؐ اور مومنین کو اپنے خانہ ساز عذرات سے دھوکا دینے میں کامیاب بھی ہو جاؤ جب بھی یہ چیز تمھارے لیے کچھ سود مند نہیں۔ خدائے علّام الغیوب کو تم بہر حال ان بہانہ سازیوں سے فریب نہیں دے سکتے۔

(۹۷-۱۰۱) اعراب یعنی اہلِ بدو میں جو منافقین تھے ان کی طرف اشارہ اور ان کے اندر جو مخلصین تھے ان کی حوصلہ افزائی۔ سابقون الاولون اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کی تحسین۔ منافقین اعراب اور منافقین مدینہ دونوں کو دھمکی۔

(۱۰۲-۱۰۶) ان لوگوں کو قبولیتِ توبہ کی بشارت جنھوں نے ان تنبیہات سے متاثر ہو کر اپنے رویہ میں تبدیلی کر لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مزید تربیت اور ان کے لیے دعا کی ہدایت۔ اس گروہ کے بعض افراد کی قبولیتِ توبہ کے معاملہ کا التوا۔

(۱۰۷-۱۱۰) مسجدِ ضرار کے بانیوں کو نہایت تند الفاظ میں وعید۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت۔

(۱۱۱-۱۱۳) اہلِ ایمان اور اللہ کے درمیان جو عہد و میثاق ہے اس کی نوعیت کی وضاحت اور اس کے حقیقی مقتضیات کا بیان۔

(۱۱۴-۱۱۶) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو شرک پر مرنے والوں کے لیے دعائے استغفار کرنے کی ممانعت اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ رہے ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے باپ کے لیے دعا کی اس کی نوعیت۔

(۱۱۷-۱۱۸) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مخلص مہاجرین و انصار کے لیے عام قبولیتِ توبہ کی بشارت۔ جن لوگوں کی توبہ کی قبولیت کا معاملہ آیت ۱۰۶ میں ملتوی کیا گیا تھا، رجوع کامل کے بعد ان کی

توبہ کی قبولیت کا اعلان۔

(۱۱۹ - ۱۲۲) اہلِ مدینہ اور اعراب کو راست بازی اور کامل وفاداری کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جاں نثاری کی تلقین۔ اس جاں نثاری کی راہ میں چھوٹی یا بڑی جو تکلیف بھی اہلِ ایمان اٹھائیں گے اس کے اجرِ عظیم کا بیان۔ اہلِ بدو کو یہ ہدایت کہ ان میں سے ہر گروہ کے لوگ اپنے منتخب آدمی حصولِ تربیت کے لیے مجلسِ نبوی میں بھیجتے رہیں تاکہ یہ لوگ وہاں سے کسبِ فیض کر کے اپنی قوم کی تربیت کر سکیں۔

(۱۲۳ - ۱۲۹) مسلمانوں کو یہ عام ہدایت کہ ہر جگہ کے مسلمان اپنے اپنے علاقہ کے کفار سے مصروفِ جہاد ہوں۔ ان لوگوں کی طرف اشارہ جو قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ سے گریز کرتے تھے۔ پیغمبرؐ کے وجودِ قدسی کی صورت میں دنیا پر اللہ کی جو عظیم رحمت نازل ہوئی تھی اس کی قدر کرنے کی تلقین۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ناقدروں سے بے پروا ہو کر صرف اللہ پر بھروسہ کرنے کی ہدایت۔

اس فہرستِ مطالب پر ایک سرسری نظر ڈال کر بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سورہ کا ہر جزو نہایت مربوط و منظم ہے اور آغاز سے لے کر انتہا تک باہم دگر ایک فطری تسلسل کے ساتھ وابستہ و پیوستہ۔ اب ہم توفیقِ الٰہی کے اعتماد پر سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ (٩)

مَدَنِيَّةٌ —— اٰيَاتُهَا ١٢٩

آيات ١ - ٢٨

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ
الْمُشْرِكِيْنَ (١) فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا
اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ (٢) وَ
اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ
اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (٣) اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ
اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِيْنَ (٤) فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا
لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (٥) وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ

الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ
مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾ كَيْفَ يَكُوْنُ ع
لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧﴾ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا
فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ
وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨﴾ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ
مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ فَاِنْ تَابُوْا
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَ
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١١﴾ وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ
بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ
اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿١٢﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا
نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ
اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ
وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾ وَ
يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَ
لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ مَا ع ٢ ١٠ ٨
كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ
بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾
اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ
اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ
وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ وقف لازم
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ
وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ
اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ
عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾
قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ
مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَجِهَادٍ فِي
سَبِيلِهٖ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
ع ۲ ۹ الْفٰسِقِينَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ
حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ
عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ أَنزَلَ
اللّٰهُ سَكِينَتَهٗ عَلٰى رَسُولِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ
تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِينَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ
يَتُوبُ اللّٰهُ مِنۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَن يَشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۷﴾
يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً
فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهٖٓ إِن شَآءَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ آیات ۱-۲۸ ان مشرکین سے اللہ اور رسول کی طرف سے اعلانِ برأت ہے جن سے تم نے
معاہدے کیے تھے. سو اب ملک میں چار ماہ چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کے
قابو سے باہر نہیں جا سکتے اور اللہ کافروں کو رسوا کر کے رہے گا۔ اور اللہ و رسول کی
طرف سے بڑے حج کے دن لوگوں میں منادی کر دی جائے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں
سے بری الذمہ ہیں تو اگر تم توبہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر روگردانی کرو گے

تو جان رکھو کہ تم اللہ سے بھاگ نہیں سکتے اور کافروں کو ایک دردناک عذاب کی
خوش خبری پہنچا دو۔ وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انھوں
نے اس میں نہ تم سے کوئی خیانت کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی مدد کی سو ان کے معاہدے
ان کی قرار دادہ مدت تک پورے کرو، اللہ نقض عہد سے بچنے والوں کو دوست رکھتا ہے
سو جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو، ان کو
پکڑو، ان کو گھیرو، اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک لگاؤ۔ پس اگر یہ توبہ کرلیں، نماز قائم
کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تب ان کی جان چھوڑو۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان
ہے۔ اور اگر ان مشرکین میں سے کوئی تم سے امان کا طالب ہو تو اس کو امان دے دو
تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اس کو اس کے امان کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ یہ ایسے
لوگ ہیں جنھیں اللہ کی باتوں کا علم نہیں۔ ۱-۶

مشرکین کے کسی عہد کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول پر کس طرح باقی رہ سکتی
ہے؟ —— ہاں جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے تو جب تک وہ قائم رہیں
تم بھی ان کے لیے معاہدے پر قائم رہو، اللہ نقض عہد سے بچنے والوں کو دوست رکھتا
ہے —— کس طرح باقی رہ سکتی ہے جب کہ حال یہ ہے کہ اگر وہ کہیں تمھیں دبا پائیں تو نہ
تمھارے بارے میں کسی قرابت کا پاس کریں نہ عہد کا۔ وہ تمھیں باتوں سے مطمئن کرنا چاہتے
ہیں، پر ان کے دل انکار کر رہے ہیں اور ان کی اکثریت بد عہد ہے۔ انھوں نے اللہ
کی آیات کے عوض میں ایک نہایت حقیر قیمت اختیار کرلی ہے۔ اور اس طرح وہ اللہ
کی راہ سے رک گئے ہیں، بے شک بہت ہی برا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ کسی صاحب ایمان

کے معاملے میں نہ ان کو کسی قرابت کا پاس ہے اور نہ کسی عہد کا۔ اور یہی لوگ ہیں جو حدود کو توڑنے والے ہیں۔ پس اگر وہ توبہ کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم آیات کی تفصیل کیے دے رہے ہیں ان لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں۔ ۷-۱۱

اور اگر عہد کر چکنے کے بعد یہ اپنے قول و قرار توڑ دیں اور تمہارے دین پر نیش زنی کریں تو تم کفر کے ان سرخیلوں سے بھی لڑو۔ ان کے کسی قول و قرار کا کوئی وزن نہیں تاکہ یہ اپنی حرکتوں سے باز آئیں۔ بھلا تم ایسے لوگوں سے نہ لڑو گے جنھوں نے اپنے قول و قرار توڑ دیے، اور رسول کو نکالنے کی جسارت کی، اور وہی ہیں جنھوں نے تم سے جنگ چھیڑنے میں پہل کی! کیا تم ان سے ڈرو گے؟ اصلی حق دار تو اللہ ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم واقعی مومن ہو۔ تم ان سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا، ان کو رسوا کرے گا، تم کو ان پر غلبہ دے گا، اہلِ ایمان کے ایک گروہ کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کا غم و غصہ دور فرمائے گا اور جن کو چاہے گا اللہ توبہ کی توفیق دے گا۔ اللہ علم و حکمت والا ہے۔ ۱۲-۱۵

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو چھانٹا ہی نہیں جنھوں نے جہاد کیے اور اللہ و رسول اور مومنین کے سوا کسی کو جنھوں نے دوست نہیں بنایا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ مشرکین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مساجدِ الٰہی کا انتظام کریں درآنحالیکہ وہ خود اپنے کفر کے گواہ ہیں۔ ان لوگوں کے سارے اعمال ڈھے گئے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے

توبیی ہیں۔ مساجدِ الٰہی کے انتظام کرنے والے تو بس وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور
روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، نماز قائم کرتے ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں اور اللہ کے سوا
کسی سے نہ ڈرتے ہوں، یہ لوگ توقع ہے کہ راہ یاب ہونے والے بنیں۔ کیا تم نے حاجیوں
کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے انتظام کو ان لوگوں کے عمل کے ہم رتبہ کر دیا ہے جو اللہ اور
آخرت پر ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیے۔ اللہ کے نزدیک یہ دونوں
برابر نہیں ہوں گے۔ خدا ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔ جو ایمان لائے، جنھوں نے
ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جنھوں نے اپنے جان و مال سے جہاد کیا، ان کا درجہ اللہ کے
ہاں بڑا ہے اور وہی لوگ فائز المرام ہونے والے ہیں۔ ان کا رب ان کو خوش خبری دیتا
ہے، اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لیے ابدی نعمت ہے۔
وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ بے شک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔
اے ایمان والو، تم اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اپنا دلی نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر
کو ترجیح دیں۔ اور تم میں سے جو لوگ ان کو اپنا دلی بنائیں گے تو وہی لوگ اپنے اوپر ظلم
کرنے والے ٹھہریں گے۔ ان سے کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے
بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارا خاندان اور وہ مال جو تم نے کمایا، وہ تجارت جس کی
کساد بازاری کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمھیں پسند ہیں اگر تمھیں اللہ، اس کے
رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ
صادر فرما دے اور اللہ بدعہدوں کو بامراد نہیں کرتا۔ بے شک اللہ نے بہت سے
موقعوں پر تمھاری مدد فرمائی ہے۔ اور حنین کے دن بھی جب کہ تمھاری کثرت نے تمھیں غرہ
میں مبتلا کر دیا تو وہ کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ

ہو گئی پھر تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بالآخر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور ایسی فوجیں اتاریں جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہی کافروں کا بدلہ ہے۔ پھر اللہ اس کے بعد جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق دے دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ ۲۷-۱۶

اے ایمان والو، یہ مشرکین بالکل نجس ہیں تو یہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمھیں معاشی بدحالی کا اندیشہ ہو تو اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو مستغنی کر دے گا۔ بے شک اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۲۸

۱- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ (۱-۲)

لفظ 'براءۃ' کا مفہوم

'بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الاٰیۃ'۔ 'براءۃ' کے معنی کسی ذمہ داری سے دستبردار اور بری الذمہ ہونے کے ہیں۔ یہاں یہ ان معاہدات کی ذمہ داری سے دستکش ہونے کے معنی میں ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد مشرکین عرب کے مختلف قبائل سے موقت اور غیر موقت نوعیت کے کر لیے تھے۔ 'مشرکین' سے یہاں بھی اور قرآن میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ بشکل علم استعمال ہوا ہے مشرکین بنی اسمٰعیل یا بالفاظ دیگر مشرکین عرب مراد ہیں۔ ان کے معاہدات کی ذمہ داری سے اس اعلان برأت کی وجہ آگے آیت ۳ سے واضح ہوتی ہے کہ بہت سے قبائل نے معاہدات کرنے کو تو کر لیے تھے لیکن ان کو وفاداری اور راستبازی کے ساتھ نباہ نہیں رہے تھے اس وجہ سے اس قسم کے معاہدوں کے کالعدم ہونے کا اعلان کر دیا گیا، صرف ان قبائل کے معاہدے باقی رکھے گئے جنھوں نے کوئی غداری یا عہد شکنی نہیں کی تھی اور وہ بھی صرف ان کی قرار دادہ مدت تک کے لیے۔ لفظ 'بَرَآءَةٌ' کے بعد حرف 'اِلٰی' جو آیا ہے یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہاں 'ابلاغ' کا مفہوم بھی مضمر ہے۔ یعنی اس دستبرداری کی اطلاع تمام ناقض عہد مشرکین کو پہنچا دی جائے چنانچہ بعد والی آیت میں اس کی تصریح بھی آ رہی ہے۔

ایک قابلِ توجہ نکتہ

یہاں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ جہاں تک معاہدہ کرنے کا تعلق ہے اس کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے، جیسا کہ 'عٰهَدْتُّمْ' کے لفظ سے واضح ہے تمام مسلمانوں پر ڈالی ہے اس لیے کہ پیغمبر کی اٹھائی ہوئی ذمہ داری بھی تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے لیکن براءتِ ذمہ کے معاملے میں مسلمانوں کی ذمہ داری معین نہیں فرمائی ہے کہ انھیں کیا کرنا ہے۔ اس سے اس اعلانِ براءت کی شدت ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ و رسول تو ان بودے معاہدوں سے بری ہوئے، اب اہلِ ایمان خود فیصلہ کریں کہ انھیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے، اللہ و رسول کا ساتھ دے کر اپنے ایمان کا ثبوت دینا ہے یا عزیزداری، برادری اور خاندان و قبیلہ کی پاسداری میں نفاق کی روش اختیار کرنی ہے۔ بات کے اس انداز سے کہنے میں مصلحت یہ بھی کہ پس منظر میں، جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے، منافقین بھی تھے جو ابھی اپنے خاندانی و قبائلی بندھنوں سے پوری طرح آزاد نہیں ہوئے تھے۔ ان لوگوں پر اس اسلوب سے یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ اللہ اور رسول کی طرف سے یہ فیصلہ قطعی ہے، اس میں کسی لچک کا امکان نہیں ہے، جس کو اس کا ساتھ دینا ہو، ساتھ دے ورنہ اپنی راہ اور اپنی منزل کا خود فیصلہ کرے۔

براہ راست مشرکین سے خطاب

'فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ' الآیۃ اوپر والی آیت کا خطاب مسلمانوں سے تھا، اس آیت میں خطاب کا رخ براہِ راست مشرکین کی طرف ہو گیا ہے۔ خطاب کی یہ تبدیلی اس دھمکی کی شدت اور اس کے فیصلہ کن ہونے کی دلیل ہے۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے یوں نہیں فرمایا کہ دھمکی مشرکین کو سنا دو بلکہ جس طرح اعلانِ براءت خود فرما دیا اسی طرح براہِ راست مشرکین کو خطاب کر کے فرمایا کہ بس اب چار ماہ کی مہلت تمھیں اور حاصل ہے، اس کے بعد ان لوگوں کے معاہدات کی اللہ و رسول پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے جو اپنے معاہدوں کی خلاف ورزیاں کر چکے ہیں بلکہ ہر قدم پر ان کی داروگیر شروع ہو جائے گی۔

معاہدات میں براءت میں چار ماہ کی مہلت کی مصلحتیں

چار ماہ کی مہلت میں کئی مصلحتیں مدنظر ہو سکتی ہیں۔ یہ مصلحت بھی ہو سکتی ہے کہ معاہدے کے باوجود جو لوگ شرارتیں کر رہے تھے وہ اپنے رویے پر نظرِ ثانی کرنا چاہیں تو نظرِ ثانی کر لیں، یہ مصلحت بھی ہو سکتی ہے کہ اس دوران میں مسلمان اپنے اس اہم اقدام سے پوری طرح یک سو، منظم اور تیار ہو جائیں۔ علاوہ ازیں آیت ۵ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آگے اشہرِ حرم آ رہے تھے جن کا احترام کسی جنگی اقدام سے مانع تھا۔

'وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ' کی وضاحت انفال آیت ۵۹ کے تحت گزر چکی ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَكۡبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ وَرَسُوۡلُهٗ ‌ؕ فَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ‌ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍۙ ‏(۳)

حج کے موقع پر اعلانِ براءت کی عام منادی کا

'اَذَان' یہاں اپنے لغوی مفہوم یعنی اعلان و منادی کے معنی میں ہے۔ ہدایت ہوئی کہ حجِ اکبر کے

دن یہ منادی کرادی جائے کہ اللہ و رسولؐ اس قسم کے معاہدوں سے بری الذمہ ہیں، اب جو توبہ کرلے گا اس کی خیر ہے اور جو روگردانی کریں گے وہ اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکیں گے۔ حج کے موقع پر منادی کی ہدایت اس وجہ سے ہوئی کہ عرب میں حج ہی کا اجتماع ایک ایسا اجتماع ہوتا تھا جس میں ملک کے کونے کونے سے لوگ جمع ہوتے جس کے سبب سے ہر وہ بات جو وہاں پھیل جائے پورے ملک میں پھیل جاتی تھی۔ خاص طور پر ۹ھ کے حج تک چونکہ صورت یہ تھی کہ مشرکین بھی حج کو جاتے تھے اس وجہ سے وہاں کا ہر اعلان سب کے کانوں تک پہنچ جاتا تھا، خواہ مسلمان ہوں یا کفار۔ اسی وجہ سے آیت میں لفظ بھی 'الی الناس' استعمال ہوا ہے جو عام ہے۔

حج اکبر سے کیا مراد ہے؟

'حج اکبر' سے کیا مراد ہے اور یہ کس سن کے حج کی طرف اشارہ ہے؟ اس سوال کا جواب مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اس سے مراد ۹ھ کا حج ہے جو حضرت ابوبکرؓ صدیق کی امارت میں ہوا۔ ہمارے نزدیک یہ بات ٹھیک ہے۔ اس لیے کہ یہی پہلا موقع ہے جب مسلمانوں کو باقاعدہ حج کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے انھیں دو تین مواقع جو ملے ان میں وہ صرف عمرہ کر سکے تھے۔ عمرہ کو حج اصغر (چھوٹا حج) بھی کہتے ہیں۔ اس نسبت سے پورے حج کے لیے 'حج اکبر' (بڑا حج) کا لفظ استعمال ہوا جس میں گویا مسلمانوں کو پہلے سے یہ بشارت بھی دے دی گئی کہ اب تک وہ صرف چھوٹے حج ہی کی سعادت حاصل کر سکے ہیں، آگے ان کو بڑے حج سے بھی سعادت اندوز ہونے کا موقع ملنے والا ہے۔

سورۂ توبہ کا زمانۂ نزول

یہیں سے عام طور پر لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس سورہ کا نزول ۹ھ میں ہوا ہے لیکن اس نتیجہ کے قبول کرنے میں مجھے تردد ہے اس لیے کہ آگے جو آیات آ رہی ہیں ان سے، جیسا کہ آپ دیکھیں گے، صاف واضح ہے کہ کم از کم یہ اور آگے کی آیات معاہدہ حدیبیہ کے خاتمہ اور فتح مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی ہیں لیکن اعلانِ برأت کی منادیٔ عام چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ کے حج کے موقع پر ہی کرائی اس لیے بعض لوگوں کو یہ گمان گزرا کہ ان آیات کا نزول بھی اسی موقع پر ہوا۔ حالانکہ یہ ایک پیشگی ہدایت تھی اس بات کی کہ جب حج اکبر کی سعادت حاصل کرنے کا موقع آئے تو اس موقع پر اس فیصلہ کی منادیٔ عام بھی کرا دی جائے۔ اس سے ضمناً مسلمانوں کو، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، حج سے مشرف ہونے کی بشارت بھی حاصل ہو گئی۔

میرے لیے ان آیات کا زمانۂ نزول ٹھیک ٹھیک متعین کرنا مشکل ہے۔ اس لیے کہ عرب میں حجۃ الوداع سے پہلے تک دو جنتریاں رائج رہی ہیں، ایک سادہ قمری حساب پر مبنی تھی دوسری نسی کے اس قاعدے پر مبنی تھی جس کی طرف آگے اسی سورہ میں اشارہ آئے گا۔ اگر کوئی شخص اس فرق کو معلوم کر سکے جو نسی کے قاعدے نے اصل قمری مہینوں میں پیدا کر دیا تھا تو وہ ان چار مہینوں کو بھی معین کر سکے گا جو آیت نمبر ۲ میں مذکور ہیں اور ان محترم مہینوں کو بھی ٹھیک ٹھیک بتا سکے گا جن کا حوالہ آیت ۵

میں ہے۔ اس تحقیق میں اس مسلّم حقیقت سے بڑی رہنمائی مل سکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں جو حج کیا وہ قمری حساب سے بھی ٹھیک نویں ذی الحجہ کو پڑا تھا اور نسی کے حساب سے بھی اس کی تاریخ یہی تھی، گویا دونوں جنتریوں کا قِران ہو گیا تھا۔ استدار الزمان کھیئتہ یوم خلق السموت والارض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ میں حساب کتاب کے میدان کا مرد نہیں ہوں اس وجہ سے اس باب میں عزم و جزم سے کچھ کہنا میرے لیے مشکل ہے لیکن قرآن کے الفاظ اور اس کے نظم کی روشنی میں اس بات پر میں مطمئن ہوں کہ یہ آیات معاہدہ حدیبیہ کے خاتمہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی ہیں۔ دلائل و قرائن کی تفصیل آگے آئے گی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (۴)

اعلان براءت سے مستثنیٰ مشرکین

یہ ان مشرکین کا بیان ہے جو مذکورہ اعلان سے مستثنیٰ تھے۔ یہ وہ قبائل ہیں جو اپنے عہد پر قائم رہے، نہ خود معاہدے کے خلاف کوئی چھوٹا یا بڑا اقدام کیا، نہ مسلمانوں کے خلاف بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی مدد کی۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مذکورہ بالا اعلان ناقضینِ عہد ہی سے متعلق تھا لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی اس سے واضح ہوتی ہے کہ یہ معاہدے بھی صرف ان کی قرار داده مدت ہی تک باقی رکھنے کی اجازت ہوئی۔ مدت گزر جانے کے بعد یہ بھی کالعدم۔ آگے کے لیے ان سے کسی نئے معاہدے کی اجازت نہیں دی گئی۔ چنانچہ اس اعلان براءت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے کسی گروہ سے کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مشرکین سے جو معاہدے کیے گئے تھے وہ صرف دعوت و تبلیغ اور اتمامِ حجت کی مصلحت سے کیے گئے تھے۔ مقصود ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نباہ کرنا نہ تھا۔ یہ سنت الٰہی ہم ایک سے زیادہ مقامات میں واضح کر چکے ہیں کہ جس قوم کی طرف براہِ راست رسول کی بعثت ہوتی ہے اگر وہ تبلیغ و دعوت اور اتمامِ حجت کے بعد بھی رسول کی تکذیب پر اڑی رہتی ہے تو وہ لازماً ختم کر دی جاتی ہے۔ خواہ اس کا خاتمہ خدا کے کسی براہِ راست عذاب سے ہو یا اہلِ ایمان کی تلوار سے۔ مشرکینِ عرب کا معاملہ اسی نوعیت کا تھا۔ اب تبلیغ و دعوت اور اتمامِ حجت کا دوران کے لیے ختم ہو رہا تھا اس وجہ سے اب ان کے کسی گروہ کے ساتھ کسی معاہدے کا سوال خارج از بحث تھا۔

اجتماعی تقویٰ کی وضاحت

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ، میں جس تقویٰ کا ذکر ہے، یہ انفرادی تقویٰ نہیں بلکہ اجتماعی و سیاسی تقویٰ ہے۔ اسلام جس طرح ہر شخص سے انفرادی تقویٰ کا مطالبہ بھی کرتا ہے اسی طرح مسلمانوں سے من حیث الجماعت اجتماعی اور سیاسی تقویٰ کا مطالبہ بھی کرتا ہے یعنی مسلمان دوسری قوموں سے جو معاملات اور معاہدات کریں ان میں راست باز، صداقت شعار اور وفادار رہیں، کسی عہد اور قول و قرار کی کوئی ادنیٰ خلاف ورزی بھی نہ کریں۔ خدا ایسے ہی متقیوں کو دوست رکھتا ہے اور خدا جن کو دوست رکھتا ہے

وہی دنیا اور آخرت میں برومند اور فائز المرام ہوتے ہیں۔

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ
وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا
سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۵)

'اشہر حرم' سے مراد

'اَشْهُرُ حُرُم' سے مراد ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینے ہیں۔ 'اَشْهُرُ حُرُم' ان مہینوں کے لیے بطور اسم و علم استعمال ہوتا ہے۔ ان کے سوا کوئی اور مہینہ اس لفظ سے مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ مہینے زمانہ جاہلیت بلکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے محترم چلے آرہے تھے۔ ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ حج و عمرہ کے مہینے بھی تھے اور اہل عرب کی بیشتر تجارتی کاروباری نقل و حرکت انہی مہینوں میں ہوتی تھی۔ ان میں لڑنا بھڑنا شرعاً ممنوع تھا اور اہل عرب اپنی جنگ جویانہ طبیعت کے باوجود ان کا احترام برابر ملحوظ رکھتے تھے۔ اوپر آیت ۲ میں جو چار ماہ کی مہلت مذکور ہوئی ہے ان میں تین مہینے حرمت والے تھے۔ تین مہینے اس وجہ سے کہ حرمت کے چاروں مہینے یکجا نہیں ہیں۔ تین ایک سلسلہ میں ہیں، رجب الگ ہے۔ اگرچہ نسی کے قاعدے کے تحت یہ اپنے اصل مقام سے ہٹے ہوئے تھے تاہم اگر ان تین حرمت والے مہینوں سے پہلے وقت کے مہینوں میں سے شوال کو ملا دیا جائے تو یہ چار مہینے بن جاتے ہیں۔ فرمایا کہ جب محترم مہینے گزر جائیں تو ان ناقضِ عہد مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ 'جہاں پاؤ' سے مراد، جیسا کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں وضاحت گزر چکی ہے، یہ ہے کہ حدودِ حرم میں بھی ان سے جنگ و قتال مباح ہے۔

مشرکین عرب کی دارو گیر

'وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ' یعنی ان کے خلاف ہر قسم کی جنگی کارروائی کی جائے اور ہر پہلو سے ان کا ناطقہ بند کیا جائے۔ اس شدت کے ساتھ ان کی دارو گیر کے اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نوعیت محض ایک دشمن کے خلاف اقدام کی نہیں تھی بلکہ یہ مشرکین عرب کے لیے اس سنت الٰہی کا ظہور تھا جو رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کے لیے ہمیشہ ظاہر ہوتی ہے اور جس کی تفصیلات سورۂ اعراف میں بیان ہوئی ہیں۔

مشرکین عرب کے لیے دو راہیں: اسلام یا تلوار

'فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ' مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ دارو گیر اس وقت تک بند نہ کی جائے جب تک یہ اپنے کفر و شرک سے تائب ہو کر نماز نہ قائم کریں اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے لگ جائیں۔ نماز اور زکوٰۃ ایک جامع تعبیر ہے اسلام کے نظام عبادت و اطاعت میں داخل ہونے کی۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلام کے بغیر نہ ان کے لیے ذمی یا معاہد بن کر اسلامی نظام میں باقی رہنے کی گنجائش رہی نہ لونڈی غلام بن کر۔ ان کے لیے صرف دو راہیں باقی رہیں۔ یا تو اسلام قبول کریں یا تلوار۔

مشرکین عرب کے ساتھ خاص معاملے کی وجہ

مشرکینِ عرب کے ساتھ یہ خاص معاملہ کرنے کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا، انہی کی زبان میں ان پر اپنی کتاب اتاری، اسی ملت کی ان کو دعوت دی گئی جس کے وہ مدعی تھے۔ رسول نے مسلسل ۲۳ سال تک ان کو جھنجھوڑا اور جگایا، ان کی ہر مجلس اور ہر بزم میں وہ پہنچا، ان کے ایک ایک دروازے پر اس نے دستک دی۔ ان کے ایک ایک شبہ اور ایک ایک اعتراض کا جواب دیا۔ ان کی تمام الزام تراشیوں، تہمتوں اور عداوتوں کا مقابلہ کیا۔ ان کے مطالبہ پر معجزے بھی دکھائے اور ان کی منتخب کی ہوئی کسوٹیوں پر بھی اپنے کو کھرا اور سچا ثابت کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے اندر جو اچھے لوگ تھے وہ اس کے ساتھی بھی بن گئے تو اس سارے اہتمام کے بعد بھی جو لوگ قبولِ حق پر آمادہ نہیں ہوئے آخر وہ کس لیے باقی رکھے جاتے۔ رسول اتمامِ حجت کا کامل اور آخری ذریعہ ہوتا ہے، جو لوگ اس کے جگانے سے بھی نہیں جاگتے وہ مردہ ہیں اور مردوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ دفن کر دیے جائیں۔

وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ (۶)

اتمامِ حجت کی خاطر آخری رعایت

اوپر والی آیت میں مشرکین کی دارو گیر کا جو حکم ہوا ہے، اتمامِ حجت کی خاطر یہ اس میں آخری رعایت ہے۔ فرمایا کہ اس دارو گیر کے دوران میں اگر کوئی شخص امان کا طالب ہو تو اس کو امان دے دو۔ اور اس کو اللہ و رسول کی دعوت اور اس کا مقصد اچھی طرح سنا سمجھا کر اس کی امان کی جگہ پر پہنچا دو تاکہ وہ ٹھنڈے دل سے اپنے معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کر سکے کہ وہ اسلام قبول کرتا ہے یا تلوار۔ یہ امان بخشی، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے، محض اتمامِ حجت کے نقطۂ نظر سے تھی۔ اس کے معنی یہ نہیں تھے کہ وہ اس دارو گیر کے حکم سے امان پا گیا۔ اگر وہ ایمان نہ قبول کرے گا تو اس کے لیے وہی حکم باقی رہے گا جو اوپر بیان ہوا ہے اور جب وہ دوبارہ زد میں آئے گا تو نہ یہ امان اس کے لیے نافع ہوگی، نہ از سرِ نو طلبِ امان کی اس کے لیے کوئی گنجائش ہی باقی رہے گی۔

'ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ' یہ اس رعایت کی وجہ بیان ہوئی ہے کہ چونکہ یہ امی لوگ رہے ہیں۔ دین و شریعت سے بے خبر اور نبوت و رسالت سے ناآشنا، اس وجہ سے اس کا امکان ہے کہ اتنے طویل سلسلۂ تبلیغ و دعوت کے بعد بھی، کسی کے معاملہ میں اتمامِ حجت کے پہلو سے کوئی کسر رہ گئی ہو اور چونکہ اس دارو گیر کا حکم، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اتمامِ حجت ہی کی بنیاد پر تھا اس وجہ سے ہدایت ہوئی کہ اگر کوئی شخص طالبِ رعایت ہو تو اس کو رعایت دے دی جائے۔ ہر چند اس میں یہ خطرہ بھی تھا کہ کوئی شخص اس رعایت سے فائدہ اٹھا کر جاسوسی کرے یا دوبارہ حریف بن کر سامنے آئے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝
كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى
قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ (۷-۸)

اعلانِ براءت کے وجوہ

یہ اعلانِ براءت کے وجوہ اور دلائل بیان ہو رہے ہیں۔ خطاب اگرچہ بظاہر عام ہے لیکن روئے سخن ان مسلمانوں کی طرف خاص طور سے ہے جو مشرکین کے اندر اپنے تعلقات اور عزیزداریوں کے باعث اس اعلان سے تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اس اعلان سے اتنی بات تو ہر شخص کے سامنے آ گئی کہ اب حدیبیہ کے اس معاہدے کے دن بھی قریب آ لگے ہیں جس نے مسلمانوں اور قریش کے درمیان ایک دوسرے سے ملنے جلنے کی راہ کھول دی تھی۔ جو لوگ ضعیف الایمان تھے قدرتی طور پر ان کا ایمان ایک سخت آزمائش میں پڑ گیا۔ قریش میں گھر گھر ان کی عزیزداریاں تھیں اور وہ توقع لیے بیٹھے تھے کہ ملنے جلنے کا یہ دروازہ کھلا رہے گا اور وہ کفر اور اسلام دونوں کے ساتھ نباہ کرتے رہیں گے۔ اس اعلان نے نہ صرف اس توقع کا ہمیشہ کے لیے یک قلم خاتمہ کر دیا بلکہ انھوں نے دیکھا کہ اب وہ وقت سر پر آ رہا ہے کہ انھیں اپنے ان تمام عزیزوں اور رشتہ داروں کے خلاف تلوار سونتنی پڑے گی۔ اس ذہن کے لوگوں کو سامنے رکھ کر فرمایا جا رہا ہے کہ بھلا ان مشرکین کے کسی عہد و پیمان کی کوئی ذمہ داری اللہ و رسول پر کیسے ہو سکتی ہے جن کا حال یہ ہے کہ اگر تم پر کہیں ان کا زور چل جائے تو نہ قرابت کا پاس کریں نہ کسی عہد کا۔ باتوں سے وہ تمھیں خوش کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے دل تمھارے اوپر غم و غصہ سے کھول رہے ہیں۔ ان کی اکثریت بدعہدوں پر مشتمل ہے۔

آیات ۷-۸ کا دروبست

اس آیت کا دروبست ذرا قابلِ غور ہے اس کو سمجھ لیجیے۔ کلام کا آغاز تو فرمایا كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ سے لیکن بات پوری کرنے سے پہلے ایک استثنا کا ذکر بطور جملہ معترضہ کر دیا کہ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ، پھر اس بات کو جو اس جملہ معترضہ کے سبب سے ادھوری رہ گئی تھی از سرِ نو لیا اور اس کو بعینہٖ اسی تمہید سے شروع کر کے اس کی تکمیل کی۔ فرمایا كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۔ الآیۃ

معاشرتی و سیاسی تعلقات کی بنیادیں

تعلقات کی بنیاد دو ہی چیزوں پر ہوتی ہے۔ معاشرتی تعلقات کی بنیاد رشتۂ رحم و قرابت کے پاس و لحاظ پر اور سیاسی روابط کی بنیاد باہمی معاہدات کی عائد کردہ ذمہ داریوں کے احترام پر۔ پہلی کو اِلّ سے تعبیر فرمایا ہے جو ان حقوق کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ایک اصل و نسل، ایک جوہر و معدن سے ہونے یا قرابت اور پڑوس کی بنا پر ایک دوسرے پر آپ سے آپ قائم ہو جاتے ہیں۔ دوسری کو

'ذمّہ' سے تعبیر فرمایا ہے جو ان ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کسی معاہدہ میں شریک ہونے والی پارٹیوں پر از روئے معاہدہ عائد ہوتی ہیں۔ فرمایا کہ اس اعلان برأت سے تم میں سے کوئی اس تشویش میں مبتلا نہ ہو کہ اب ان لوگوں کے ساتھ تمام معاشرتی اور اجتماعی تعلقات ختم ہو رہے ہیں۔ یہ ختم ہو رہے ہیں تو اب ان کو ختم ہی ہونا تھا۔ تعلقات کبھی بھی یکطرفہ قائم نہیں رہتے۔ تم میں سے جو لوگ ان کے تعلقات کو عزیز رکھتے ہیں انھیں یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیے کہ وہ اگر تم پر کبھی قابو پا جائیں گے تو نہ قرابت مندی کا لحاظ رکھیں گے نہ کسی معاہدے کا۔ ملاقاتوں میں یہ جو چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں وہ محض زبانی ہمدردی کی نمائش اور تمھیں بے وقوف بنانے کی ایک کوشش ہے ورنہ حقیقت میں ان کے دل ان کی زبان سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ ان کے دلوں کے اندر تمھارے اور تمھارے دین کے خلاف عناد بھرا ہوا ہے۔

'فسق' کا مفہوم

'وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ' یعنی جس طرح ان کی قرابت داری محض زبانی اور نمائشی ہے اسی طرح اپنے عہد و پیمان کے معاملے میں بھی یہ بالکل جھوٹے اور غدار ہیں۔ ان کی اکثریت عہد شکن ہے۔ 'فسق' کا لفظ یہاں غداری اور عہد شکنی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور قرآن میں اس لفظ کا استعمال اس معنی میں معروف ہے۔ جس طرح اوپر 'تقوی' کا لفظ پاس عہد کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اسی طرح یہاں 'فسق' کا لفظ نقض عہد کے لیے استعمال ہوا ہے۔

معاہدۂ حدیبیہ کی طرف اشارہ

'اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ'، ہمارے نزدیک یہ اشارہ اس معاہدہ کی طرف ہے جو قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا تھا۔ اس رائے کے دلائل تو آگے واضح ہوں گے لیکن ایک قرینہ یہاں قابل توجہ ہے۔ وہ یہ کہ اس کا تعارف 'الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ' سے کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی معاہدے ہجرت کے بعد مشرکین کے ساتھ کیے ان میں سے اگر کوئی معاہدہ مسجد حرام کی نسبت کے ساتھ تعارف کا سزاوار ہو سکتا ہے تو وہ صرف حدیبیہ کا معاہدہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہی معاہدہ مسجد حرام کے قرب و جوار میں طے پایا تھا۔ اس نسبت کے اظہار سے ایک طرف تو معاہدے کا تعارف ہو گیا، دوسری طرف اس سے اس کی غیر معمولی حرمت بھی واضح ہوئی کہ کوئی ایسا ویسا معاہدہ نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل جوار حرم میں ہوئی ہے جس سے زیادہ کوئی دوسری جگہ مقدس و محترم نہیں ہو سکتی۔ ہم کسی دوسرے مقام میں اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ اہل عرب بالعموم اپنے معاہدات اپنے معبدوں اور استھانوں کے سامنے کرتے تھے تاکہ فریقین کے اندر معاہدات کے احترام کا جذبہ پیدا ہو۔

معاہدۂ حدیبیہ کی پابندی کی ہدایت

فرمایا کہ 'فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ' یعنی جب تک قریش اس معاہدے پر قائم رہیں تم بھی اس پر قائم رہو۔ اگر وہ اس کو توڑ دیں تم بھی اس کو توڑ دو۔ کوئی معاہدہ یک طرفہ قائم نہیں رہتا۔

دونوں پارٹیاں مل کر اس کو قائم رکھتی ہیں۔ یہی تقاضائے عدل ہے اور اسلام اسی کا تمھیں حکم دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ، یعنی اللہ تعالیٰ ایسے ہی عدل پسندوں کو دوست رکھتا ہے۔

معاہدات سے متعلق تین باتیں

اوپر کی آیات سے اس وقت تک کے ان تمام معاہدات کے بارے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کی مختلف پارٹیوں کے درمیان طے پائے تھے تین باتیں واضح ہوئیں۔

۱۔ جن مشرکین نے اپنے معاہدات کی خلاف ورزیاں کی تھیں ان سے اعلان براءت اور چار ماہ کی مہلت کے بعد ان سے جنگ۔

۲۔ جنھوں نے اپنے معاہدات پوری وفاداری سے نباہے تھے اور ان کے معاہدات موقّت تھے، اختتامِ مدت کے بعد یہ معاہدات بھی ختم۔

معاہدۂ حدیبیہ کی خاص نوعیت

۳۔ معاہدۂ حدیبیہ کو اس وقت تک قائم رکھنے کی ہدایت جب تک قریش اس کو قائم رکھیں۔ یہ یاد رہے کہ معاہدۂ حدیبیہ غیر موقت تھا اور ان آیات کے نزول کے وقت تک معلوم ہوتا ہے قریش اس کو نباہ رہے تھے اس وجہ سے قدرتی طور پر اس کے متعلق بہت سے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہوگا کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد اس کا کیا انجام ہوگا؟ یہ اسی سوال کا جواب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی دوران میں قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بنی خزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنی بکر کی مدد کر کے اس معاہدہ کی بھی خلاف ورزی کی جس کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر لیا۔

اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِہٖ ؕ اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (۹-۱۱)

اعلان براءت کے وجوہ کی مزید وضاحت

یہ اعلان براءت کے وجوہ کی مزید وضاحت ہے کہ ان مشرکین کا معاملہ خالق اور خلق کسی کے ساتھ بھی درست نہیں۔ ان کے لیے اللہ کی ہدایت اتری تو انھوں نے اس کے مقابل میں اس دنیا کی متاعِ حقیر کو ترجیح دی، خود بھی اس سے منہ موڑا اور دوسروں کو بھی، جن پر ان کا بس چلا، اس سے روکا۔ خلق کے ساتھ ان کے معاملے کی نوعیت یہ ہے کہ کسی مسلمان کے معاملے میں ان کو نہ رحم اور قرابت کا پاس ہے نہ عہد و ذمہ کا۔ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُعْتَدُوْنَ یعنی حقوق تلف کرنے اور حدود توڑنے میں انہی نے سبقت کی ہے تو ایسے بدعہدوں اور ایسے ظالموں کے ساتھ اللہ و رسول کا کوئی عہد کیسے رہ سکتا ہے۔ اب ان کے لیے بس یہی راہ ہے کہ توبہ کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں تو تمھارے دینی بھائی بن جائیں گے۔ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ میں فی الجملہ تنبیہ کا مضمون ہے مسلمانوں اور کفار دونوں کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جاننا اور سمجھنا چاہیں ان کے لیے اس باب میں اللہ کے احکام کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔ کوئی ابہام باقی نہیں رہا ہے۔ اب اگر مسلمانوں میں سے کسی نے ان مشرکین کے ساتھ اس سے الگ ہو کر کوئی معاملہ کرنا چاہا تو اس کی ذمہ داری

خود اسی پر ہے، اسی طرح مشرکین میں سے اگر کسی نے اس سے کچھ الگ امید باندھی تو اس کی ذمہ داری بھی خود اسی پر ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۱۲-۱۵)

قریش کے بارے میں ہدایات

'وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ' یہ اوپر آیت، سے متعلق ہے۔ وہاں فرمایا تھا کہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا ہے جب تک یہ لوگ اس پر قائم رہیں تم بھی اس پر قائم رہو۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر قریش بھی اپنا معاہدہ توڑ دیں تو تم ان ائمہ کفر سے بھی لڑو۔ 'ائمہ کفر' کا اطلاق عرب میں ظاہر ہے کہ قریش کے سوا کسی اور پر نہیں ہو سکتا تھا۔ دین کے معاملہ میں سارا عرب انہی کے تابع تھا۔ پیشوائی اور سرداری کا مقام انہی کو حاصل تھا۔ قریش کے لیے اس لقب کے استعمال میں ان کے خلاف جہاد کی ایک مضبوط دلیل بھی ہے کہ سارے کفر کے امام و سرغنہ جب یہ ہیں تو ان سے نہ لڑو گے تو کس سے لڑو گے۔ اسلام کے خلاف طعن و طنز اور استخفاف و استہزا کے جتنے تیر و نشتر اور جتنے پروپیگنڈے اور اشغلے ایجاد ہوتے تھے سب انہی کے کارخانے میں ڈھلتے تھے، پھر انہی سے دوسروں میں پھیلتے تھے۔ اسی چیز کی طرف 'وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ' میں اشارہ ہے۔

'اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ' بطور جملہ معترضہ ہے اور 'لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ' اصل سلسلہ کلام سے مربوط ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے عہد و پیمان کا کوئی وزن نہیں۔ یہ زیادہ دیر اس کو نباہ نہ سکیں گے۔ آج نہیں تو کل یہ اس کو توڑ دیں گے تو جب بھی اس کو توڑ دیں تم ان سے جنگ کرو تاکہ یہ اپنی شرارتوں سے باز آئیں۔ ان کے باز آنے کا مفہوم وہی ہے جو اوپر کی آیات سے واضح ہو چکا ہے کہ توبہ کریں اور اسلام لائیں۔

نقضِ عہد کے بعد قریش سے قتال کی ہدایت

'اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ' یہ قریش کے خلاف مسلمانوں کو جنگ پر ابھارا ہے اور قرینہ دلیل ہے کہ آیت کچھ فصل سے نازل ہوئی ہے۔ اوپر والی آیت میں تو 'وَاِنْ نَّكَثُوْٓا' کے الفاظ تھے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی معاہدہ کم از کم رسمی طور پر باقی تھا لیکن اس آیت میں 'نَكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ' کے الفاظ آئے ہیں جو بتاتے ہیں کہ انھوں نے معاہدہ توڑ دیا۔ اس معاہدہ کے توڑنے کی شکل، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہ ہوئی کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں کے خلاف اپنے حلیفوں کی مدد کی۔

قریش کے جرائم

'وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ' نقضِ عہد کے جرم کے ساتھ ان کے بعض پچھلے جرائم کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

خاص طور پر ان جرائم کی طرف جو انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف کیے۔ ان میں سب سے زیادہ سنگین جرم اللہ کے رسول کو جلاوطن کرنے کا جرم تھا۔ یہ جرم ایک ایسا جرم ہے کہ اس کے ارتکاب پر، جیسا کہ پچھلی سورتوں میں وضاحت ہو چکی ہے، فیصلہ کن عذاب آجایا کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ سنت الٰہی کے مطابق عذاب کے مستحق ہیں، کیا تم ان سے جنگ کرنے سے جی چراؤ گے؟ اس جرم کا ذکر 'ھَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ' کے الفاظ سے فرمایا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ان کا اصل جرم یہ ہے کہ انھوں نے رسولؐ کے جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ جسارت ہی بجائے خود ایک جرم عظیم ہے۔ رہا رسول کا نکلنا تو وہ تمام تر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حکمت و مشیت کے تحت ہوتا ہے 'وَھُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ' یعنی صرف رسولؐ کے جلاوطن کرنے کی جسارت ہی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد جنگ چھیڑنے میں بھی پہل انہی نے کی۔ ظاہر ہے کہ یہ اشارہ جنگ بدر کی طرف ہے جس پر تفصیلی بحث انفال میں گزر چکی ہے۔ ان الفاظ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے جو ہم پیچھے واضح کر چکے ہیں کہ جنگ بدر کے لیے پیش قدمی تمام تر قریش کی طرف سے ہوئی۔ قافلۂ تجارت کی حفاظت کا انھوں نے محض ایک بہانہ پیدا کیا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مذکورہ جرائم اصلاً قریش ہی کے جرائم تھے اس وجہ سے ان آیات کا تعلق قریش ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جو پیچھے ہم نے اس سورہ کے زمانۂ نزول سے متعلق ظاہر کیا ہے۔

کمزور قسم کے مسلمانوں کو تنبیہ

'اَتَخْشَوْنَھُمْ فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْہُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ' خطاب اگرچہ عام ہے لیکن روئے سخن خاص طور پر کمزوروں اور منافق قسم کے لوگوں کی طرف ہے۔ یہ لوگ، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں اور آگے تفصیل آرہی ہے، قریش کے ساتھ جنگ کے معاملے میں بہت ہراساں تھے اور اس کی وجہ جنگ سے زیادہ یہ تھی کہ یہ لوگ اپنے پچھلے تعلقات و روابط کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ ان کے دل کسی طرح اس بات پر راضی نہیں ہوتے تھے کہ یہ تعلقات یک قلم ختم ہو کے رہ جائیں۔ فرمایا کہ تم ان لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ ڈرنے کا زیادہ حق دار اللہ ہے۔ اگر ایمان کے مدعی ہو تو تمھیں دوسروں کے تعلقات سے زیادہ اپنے اس تعلق کا اہتمام ہونا چاہیے جو تم اللہ سے رکھنے کا دعویٰ کرتے ہو۔

مقابلے میں دشمن کی رسوائی کی بشارت

'قَاتِلُوْھُمْ يُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِھِمْ' یہ مسلمانوں کی عموماً اور کمزور مسلمانوں کی خصوصاً حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ تم ان ائمہ کفر سے جنگ کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے ہاتھوں ان کو عذاب دینے اور ان کو رسوا کرنے کا فیصلہ فرما لیا ہے۔ ہم پیچھے اس سنت الٰہی کا ذکر کر چکے ہیں کہ جو قوم اپنے رسول کی تکذیب پر اڑ جاتی ہے، رسول کی ہجرت کے بعد اس پر لازماً عذاب آجاتا ہے۔ اگر رسول پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہے تو یہ عذاب براہ راست خدا کی طرف سے آتا ہے۔ اور اگر ایمان لانے والوں کی تعداد معتدبہ ہوتی ہے تو پھر انہی اہل ایمان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ

اس قوم کو عذاب دیتا اور ان کو رسوا کرتا ہے۔ یہ رسوائی بھی اس عذاب کا خاص حصہ ہوتی ہے، اس لیے کہ تکذیبِ رسول کا اصل محرک، جیسا کہ اپنے مقام میں واضح ہو چکا ہے، استکبار ہے اور استکبار کی سزا رسوائی ہے۔

مظلوم مسلمانوں کی دلداری

'وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ' میں ان مسلمانوں کی دلداری ہے جو بے بس و بے کس ہونے کے سبب سے قریش کے شریروں اور سنگ دلوں کے ہاتھوں مکہ میں سنگ دلانہ مظالم کے ہدف بنے تھے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان سنگ دلوں کو اس طرح ذلیل و خوار کرے گا کہ ان کے اس عبرت انگیز انجام کو دیکھ کر ان لوگوں کے کلیجے ٹھنڈے ہو جائیں گے جو اسلام لانے کے جرم میں ان اشقیاء کے ہاتھوں ستائے گئے تھے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اعدائے حق کے خلاف دل میں غم و غصہ کا پایا جانا اور ان کی بربادی پر خوش ہونا ان لوگوں کے لیے بالکل روا ہے جو ان پر حق کی حجت تمام کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے ہوں۔

اپنے اعزہ واقربا کے ایمان کے آرزومند مسلمانوں کے لیے بشارت

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ 'وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ' میں ایک لطیف اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ان لوگوں کے اندر سے ابھی کچھ لوگوں کو توبہ کی توفیق نصیب ہوگی اور وہ ایمان سے مشرف ہوں گے۔ یہ ایک قسم کی خوش خبری ہے ان مسلمانوں کے لیے جو اپنے عزیزوں اور قریبوں کے ایمان کے آرزومند تھے۔ فرمایا کہ مطمئن رہو۔ اگر اس گھورے میں رلے ملے کچھ اور جواہر ریزے بھی ہوئے تو اللہ ان کو بھی چن لے گا۔ 'عَلَى مَنْ يَشَاءُ' اور 'وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ' سے اس سنتِ الٰہی کی طرف اشارہ فرما دیا ہے جو توفیقِ توبہ کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی ہے اور جس کی وضاحت اس کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات میں ہو چکی ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ
اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (۱۶)

'وَلِيجَة' بطانة الانسان وخاصته او من يتخذه معتمدا عليه من غير اهله۔ یعنی محرمِ راز، دوست اور معتمد۔

اعلان براءت مومنین کی تطہیر کے لیے ایک کسوٹی

اوپر ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ ہر چند یہاں خطاب باعتبار الفاظ عام ہے لیکن روئے سخن ان مسلمانوں ہی کی طرف ہے جو ابھی اپنے سابق روابط و تعلقات کے بندھنوں سے پوری طرح آزاد نہیں ہوئے تھے اس وجہ سے ان کے لیے یہ اعلانِ براءت ایک سخت آزمائش بن گیا۔ ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ یہ اعلان ایک کسوٹی ہے جو تمہارے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کر دے گی کہ کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور ایسے بے لاگ ہیں کہ انہیں اللہ، اس کے رسول اور اہلِ ایمان کے سوا کسی کی دوستی اور قرابت کی کوئی پروا نہیں ہے اور کون لوگ دوسروں کی خاطر اللہ و رسول اور اہلِ ایمان کو نظر انداز کر دینے والے ہیں۔ یہ امتحان

ایک سنت الٰہی ہے جس سے ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو لازماً گزرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ امتحان کی کسوٹی پر پرکھ کے غث وسمین کو نمایاں اور اہل ایمان کی تطہیر کرتا رہتا ہے۔ اگر تمہارا گمان یہ تھا کہ تم ایمان کا دعویٰ کر کے یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے تو یہ خیال غلط تھا۔ اب تمہاری جانچ کا مرحلہ آگیا کہ تم میں کون اللہ و رسول اور اہل ایمان کا وفادار ہے اور کون محض جھوٹا مدعی ہے۔

اہل ایمان کا دشمن اللہ و رسول کا دشمن ہے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر نگاہ میں رکھنے کی ہے کہ اللہ اور رسول اور اہل ایمان کا ذکر ایک ہی ساتھ ہوا ہے جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اس میں تقسیم کی گنجائش نہیں ہے۔ جو شخص اللہ کا وفادار ہونے کا مدعی ہے اس پر واجب ہے کہ وہ اس کے رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کا بھی اپنے آپ کو وفادار ثابت کرے۔ اگر کوئی شخص اہل ایمان کے مقابل میں کسی اور کو اپنا دوست اور معتمد بناتا ہے تو وہ خدا اور رسول کا بھی ساتھی نہیں ہے اگرچہ وہ کتنی ہی بلند آہنگی سے اس کا دعویٰ کرے۔ یہ مضمون نہایت وضاحت سے آگے آیات ۲۳-۲۴ میں بھی آ رہا ہے۔

لفظ عَلِمَ، یَعْلَمُ کے مفہوم پر دوسرے مقام میں بحث ہو چکی ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۱۷-۲۲)

جزوی نیکی اصل مقصود کی قائم مقام نہیں ہو سکتی اوپر کے پیرے میں مشرکین قریش کے ان جرائم کی طرف اشارے کیے گئے ہیں جو ان کو اعلان براءت اور جنگ کا سزاوار قرار دیتے ہیں۔ اب یہ تولیت بیت اللہ کے سلسلہ میں ان کی بعض خدمات کا حوالہ دے کر یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ ان کی یہ خدمات بالکل بے حقیقت اور بے وزن ہیں۔ ان کی بنیاد پر یہ ہرگز اس بات کے سزاوار نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی رعایت کی جائے۔ کوئی خدمت اور نیکی اس وقت معتبر ہوتی ہے جب وہ اصل مقصود کے تحفظ کے ساتھ ہو۔ اگر اصل مقصد برباد ہو جائے تو کوئی جزوی نیکی اصل مقصود کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ ایک مسجد کا متولی اگر مسجد کو بت خانہ بنا دے تو محض اس بنا پر وہ کسی کریڈٹ کا سزاوار نہیں قرار دیا جا سکتا کہ اس نے مسجد میں پانی اور لوٹے کا انتظام کر رکھا ہے۔ مسجد میں پانی اور لوٹے

کا انتظام بجائے خود ایک اچھا کام ہے۔ لیکن ایسا کام نہیں ہے کہ اس کی خاطر کسی کے اس حق کو تسلیم کر لیا جائے کہ وہ مسجد کو بت خانہ بنائے رکھے اور اس کا متولی بنا رہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ قریش بھی اپنی ان خدمات پر نازاں تھے اور ان کے دوسرے ہمدرد بھی ان کے ان کاموں کو قابلِ لحاظ سمجھتے تھے۔ خاص طور پر جب ان کے خلاف اعلان جنگ ہوا تو وہ مسلمان بھی، جو ابھی اچھی طرح یکسو نہیں ہوئے تھے، یہ سوچنے لگ گئے کہ یہ لوگ خانہ کعبہ کے متولی ہیں، اس کی خدمت کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اس وجہ سے یہ رعایت کے حق دار ہیں، ان کے ساتھ اتنا سخت معاملہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے آگے یہ دوٹوک فیصلہ رکھ دیا جائے کہ اسلام قبول کریں یا تلوار۔ یہ ذہنیت ایک فاسد ذہنیت تھی جو ایک طرف تو مکذبینِ رسول کے لیے ایک عذر فراہم کرتی تھی، دوسری طرف اس سے ایک نہایت مکروہ قسم کے نفاق کے پرورش پانے کا امکان تھا اس وجہ سے قرآن نے اس فساد کی اصلاح کی تاکہ ایک غلط تصورِ دین مسلمانوں کے اندر جڑ نہ پکڑنے پائے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ

قریش کی تولیت بیت اللہ سے معزولی

"عَمَرَ يَعْمُرُ" مکان بنانے، کسی زمین کو آباد کرنے، کسی گھر کو بسانے اور اس کا انتظام کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

'مشرکین' کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہاں اس عام سے مراد قریش ہیں جو بیت اللہ کی تولیت کے مدعی تھے۔ نام کی بجائے وصف سے ان کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ حکم عام ہو جائے اور اس کی علت بھی واضح ہو جائے۔

'مَسٰجِدَ اللّٰهِ' سے مراد اگرچہ مسجد حرام ہی ہے، چنانچہ آیت ۱۹ میں اس کی وضاحت بھی ہو گئی ہے لیکن اس کو جمع کے لفظ سے تعبیر فرمایا اس لیے کہ مسجد حرام کا معاملہ تنہا مسجد حرام ہی کا معاملہ نہیں ہے بلکہ تمام مساجدِ الٰہی کا معاملہ ہے۔ یہی تمام مساجد کی اصل، سب کا مرکز و محور اور سب کا قبلہ ہے۔ اس کے انتظام و انصرام، اس کے مقصد اور اس کی دعوت میں کوئی فساد پیدا ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام ہدایت و سعادت اور ساری خیر و برکت کا مرکز ہی درہم برہم ہو گیا۔

فرمایا کہ مشرکین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مسجد حرام کے جو تمام مساجدِ الٰہی کا مرکز اور قبلہ ہے منتظم بنے رہیں جب کہ وہ خود اپنے کفر کے گواہ ہیں۔ کفر سے مراد یہاں ان کا شرک ہی ہے۔ شرک کو کفر سے تعبیر کر کے دین کی یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ شرک کے ساتھ خدا کو ماننا بالکل اس کے نہ ماننے کے ہم معنی ہے۔ خدا کا ماننا صرف وہ معتبر ہے جو توحید کے ساتھ ہو بالخصوص اس شرک کے ساتھ تو ایمان باللہ کے جمع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے جس کا کھلم کھلا اقرار و اظہار ہو۔ مشرکین عرب کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ان کے ہاں شرک کی نوعیت یہ نہیں تھی کہ ان کے کسی قول یا عمل سے شرک ایک لازمی

نتیجے کے طور پر پیدا ہوتا ہو بلکہ شرک کو بطور دین اور عقیدہ کے انھوں نے اختیار کیا تھا۔ یہ ان کے تصورِ الٰہیت کا ایک غیر منفک حصہ تھا۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اس کفر کے علم بردار ہوں ان کو یہ حق کسی طرح نہیں پہنچتا کہ وہ اس گھر کی تولیت پر، جو دنیا میں توحید اور خالص خدا پرستی کا سب سے پہلا گھر اور تمام مساجد الٰہی کا قبلہ ہے، قابض رہیں۔ ان کا اس گھر کا منتظم بنے رہنا کوئی نیکی نہیں ہے جو ان کے حق میں سفارش بنے بلکہ ایک بہت بڑی بدی ہے جس سے اس گھر کو پاک کرنا اہلِ ایمان کا اولین فریضہ ہے۔

شرک کے ساتھ ہر نیکی برباد

'اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ' 'اعمال' سے یہاں ان کے وہی اعمال مراد ہیں جن کو لوگ نیکی اور خدمتِ دین کے کام شمار کرتے تھے۔ فرمایا کہ ان کے یہ سارے اعمال ڈھے جائیں گے اور یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ شرک کے ساتھ کوئی نیکی بھی نیکی نہیں رہ جاتی۔ خدا کے ہاں صرف وہی نیکی باقی رہتی ہے جو توحید کے ساتھ ہو۔ مذہبی صحیفوں میں مشرک کو زانیہ عورت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس طرح ایک عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ سارا چاؤ پیار بیکار ہے اگر وہ بدکار ہے اسی طرح بندے کا سارا کیا دھرا برباد ہے اگر وہ اپنے رب کا کسی کو شریک ٹھہراتا ہے۔

مساجد الٰہی کی تولیت کے اصلی حق دار

'اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ'۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ بیت اللہ اور مساجد الٰہی کی تولیت کے اصل حق دار کون لوگ ہیں۔ فرمایا کہ صرف وہ لوگ اس کے حق دار ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، جو نماز قائم کریں اور جو زکوٰۃ ادا کریں۔ ظاہر ہے ان تمام صفات کے حامل اگر تھے تو مسلمان تھے نہ کہ مشرکین۔ لیکن مسلمانوں کا نام لینے کے بجائے صرف ان صفات کا ذکر فرمایا جو منصبِ تولیت کے لیے بنیادی شرائط کی حیثیت رکھتی تھیں تاکہ یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہو جائے کہ یہ منصب کسی گروہ یا خاندان کا اجارہ نہیں ہے بلکہ یہ تمام تر چند صفات اور فرائض کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ صفات مفقود ہوں تو کوئی گروہ اس منصب کا دعوے دار نہیں ہو سکتا۔ 'وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ' شرک کی نفی کے لیے ہے یعنی ان کے اندر کسی غیر اللہ کا خوف نہ پایا جاتا ہو۔ ظاہر ہے یہاں خوف سے مراد وہ خوف ہے جو کسی غیر اللہ کو بذاتِ خود نافع و ضار ماننے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ خوف شرک ہے۔ یہاں شرک کی نفی اس کے اصل محرک کی نفی سے کی ہے۔ ہم اپنی کتاب "حقیقتِ شرک" میں یہ بات وضاحت سے لکھ چکے ہیں کہ شرک کا اصل سبب یہ خوف ہی ہوتا ہے۔

فائز المرام گروہ

'فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ'۔ 'اِهْتِدَاء' کا لفظ یہاں ہدایت منزل کے مفہوم میں ہے۔ یعنی جو مذکورہ صفات کے حامل ہوں گے انھی کے باب میں یہ توقع ہے کہ وہ منزل پر پہنچیں اور بامراد و فائز المرام ہوں۔ لفظ کے اس مفہوم کی وضاحت ہم دوسرے مقام میں کر چکے ہیں۔ اس بات کو 'عَسٰى' کے لفظ سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ راہ کوئی آسان راہ نہیں ہے۔ اس میں قدم قدم

پر مشکلات اور آزمائشیں ہیں۔ صرف وہی لوگ جادۂ مستقیم پر استوار رہ سکتے ہیں جن کے پاس توفیق الٰہی کا زادِ راہ ہو اور جن کو خدا سے استعانت کا سہارا حاصل ہو۔

مشرکین کی خدمت بیت اللہ بے ثمر

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، 'كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ' میں مضاف محذوف ہے جس طرح وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ میں محذوف ہے۔ مخاطب وہی لوگ ہیں جو حرم کی تولیت اور اس سے متعلق بعض خدمات، مثلاً حجاج کے لیے پانی کے انتظام کی خدمت، کی بنا پر مشرکین قریش کو دوسروں کے مقابل میں ایک امتیاز کا درجہ دے کر ان کو مستحق رعایت خیال کرتے تھے۔ فرمایا کیا حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کا الٹا سیدھا کچھ انتظام کر دینا ایمان باللہ والآخرۃ اور جہاد فی سبیل اللہ کا قائم مقام ہو سکتا ہے؟ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ اگر تم ان کاموں کو یکساں سمجھتے ہو تو سمجھو لیکن خدا کے ہاں یہ دونوں قسم کے لوگ یکساں نہیں ہوں گے۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ خدا ان مشرکوں کو بامراد نہیں کرے گا۔ ظلم سے مراد یہاں شرک ہے اور 'ہدایت' سے مراد مطلوب و مقصود کی ہدایت ہے۔ اوپر ہم واضح کر چکے ہیں کہ شرک کے ساتھ جو کام نیکی کے کیے جاتے ہیں وہ نقش برآب ہوتے ہیں۔ خدا کے ہاں وہ بالکل لاحاصل ہو کر رہ جائیں گے اور ان کی بنا پر جو امیدیں باندھی جائیں گی ان سب کا نتیجہ نامرادی کی شکل میں نکلے گا۔

فائز المرام صرف اہل ایمان ہوں گے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً 'اَعْظَمُ دَرَجَةً' یہاں تقابل کے لیے نہیں بلکہ تفخیم شان کے لیے ہے۔ یعنی ایمان، ہجرت اور جہاد والوں کا مرتبہ اللہ کے ہاں بہت اونچا ہے۔ جس طرح سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۲۱۲ (جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے قیامت کے دن ان پر بالا ہوں گے) اس اسلوب میں یہاں اہل ایمان کے درجے کی عظمت کفار کے درجے سے قطع نظر کر کے بتائی گئی ہے۔ کفار کا جو حال ہوگا وہ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ سے واضح ہو ہی چکا ہے۔ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ بالکل وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ کے مقابل میں ہے یعنی کفار و مشرکین تو آخرت میں بالکل نامراد رہیں گے البتہ اہل ایمان فائز المرام اور بامراد ہوں گے۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ' یہ اوپر والے ٹکڑے 'وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ' کی تفسیر ہے کہ ان کو ان کے ایمان اور ہجرت و جہاد کے صلہ میں ان کے رب کی طرف سے رحمت، رضوان اور ابدی نعمت کے باغوں کی بشارت ہے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ دنیا کی نعمتوں کی طرح ان نعمتوں کے لیے زوال نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ

عَلَى الْإِيْمَانِ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ
وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ
فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (۲۳-۲۴)

سچے اہل ایمان کی صفات

اوپر آیت ۱۶ میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں کرتا کہ اہل ایمان کے اندر وہ لوگ بھی رلے ملے رہیں جو ایمان کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں اور کفار و مشرکین سے دوستی بھی قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں اور اللہ و رسولؐ اور اہل ایمان کے مقابل میں کسی اور کو اپنا دوست اور معتمد نہ بنائیں۔ اب یہ اسی مضمون کو دوسرے اسلوب سے نہایت واضح اور فیصلہ کن لب ولہجہ میں، تمام مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا ہے تاکہ ہر شخص اپنی راہ اور اپنی منزل کا انتخاب کر لے۔

فرمایا کہ تمہارے درمیان تعلق، دوستی اور اعتماد کی بنیاد نسب اور خاندان پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے۔ اگر تم میں سے کسی کے باپ اور بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو تم ان کو اپنا معتمد اور دوست نہ بناؤ۔ جو ایسا کرے گا تو یاد رکھے کہ وہ خود اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا بنے گا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی اس کے نتیجہ میں جو وبال اس پر دنیا اور آخرت دونوں میں آئے گا اس کی ذمہ داری خود اسی پر ہوگی۔ اس میں کسی دوسرے کی کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

'قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ الایۃ' نہایت فیصلہ کن انداز میں اس باب کی آخری تنبیہ ہے انسان کی تمام محبوبات میں سے ایک ایک چیز کو گنا کر فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی کسی کو اللہ اور رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز و محبوب ہے تو وہ اللہ کے فیصلے کا انتظار کرے۔

اللہ و رسول کے محبوب رکھنے کا مطلب

کسی چیز کا اللہ اور رسولؐ سے زیادہ عزیز و محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے سامنے جب دو بالکل متضاد مطالبے آئیں، ایک طرف اللہ و رسولؐ کا مطالبہ ہو، دوسری طرف مذکورہ چیزوں میں کسی چیز کی محبت کا مطالبہ اور آدمی خدا اور رسولؐ کے مطالبے کو نظر انداز کر کے دوسری چیز کے مطالبہ کو ترجیح دے دے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ اور رسولؐ سے زیادہ اس کو وہ چیز محبوب ہے اور اگر اس کے برعکس وہ اس چیز کے مطالبہ پر اللہ و رسولؐ کے مطالبہ کو مقدم رکھے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اللہ و رسولؐ کی محبت کو ترجیح دی۔ اللہ و رسول سے یہ محبت ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اس کے بغیر کسی کا دعوائے ایمان معتبر نہیں ہے اور یہ محبت الٰہی کے جانچنے کے لیے ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے ہر شخص اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنے ایمان اور اپنی محبت کو جانچ سکتا ہے۔

مرغوباتِ نفس اور ایمان کا تقاضا

یہاں جن محبوبات و مرغوبات کی فہرست گنائی ہے ان میں نہایت لطیف نفسیاتی ترتیب ہے جو بجائے خود واضح ہے۔ پہلے باپ، بیٹے، بھائی، بیوی اور خاندان کو لیا ہے جن کی محبت یا عصبیت آدمی کے لیے حق کی راہ میں حجاب اور آزمائش بنتی ہے پھر اموال، کاروبار اور مکانات کا ذکر کیا ہے جو اصلاً مذکورہ متعلقین ہی کے تعلق سے مطلوب و مرغوب ہوتے ہیں اور آدمی صاحبِ توفیق نہ ہو تو اس کے لیے یہ فتنہ بن جاتے ہیں۔ اموال کے ساتھ 'اقْتَرَفْتُمُوْهَا' کی قید ہے۔ 'اقتراف' کے معنی اکتساب کے ہیں۔ یہ قید اس مال کے محبوب ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جس مال کو آدمی نے خود کمایا اور بڑھایا ہو وہ اس کو زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اسی طرح 'تجارت' کے ساتھ 'تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا' کی قید اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ وہ تجارت کامیاب اور چلتی ہوئی تجارت ہے اس لیے کہ کامیاب اور چلتی ہوئی تجارت ہی وہ چیز ہے جس کے متعلق تاجر کو ہر وقت یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ اس پر کساد بازاری کا جھونکا نہ آجائے اور اس خطرے سے اس کو بچائے رکھنے کے لیے وہ سارے جتن کرتا ہے یہاں تک کہ وہی اس کی معبود بن جاتی ہے۔ پھر نہ تو اسے حلال و حرام کی تمیز باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہجرت، جہاد اور اللہ کی راہ میں قطع علائق کی آزمائشیں اسے گوارا ہوتیں۔ فرمایا کہ ان میں سے ہر چیز ایک بت ہے اور جب تک بندہ اللہ کی خاطر ان میں سے ہر بت کو توڑنے کے لیے تیار نہ ہو جائے وہ ایمان کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔

جھوٹے مدعیانِ ایمان کا انجام

'فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ' دھمکی ہے اور نہایت سخت دھمکی۔ اس کے ابہام کے اندر بڑی تفصیل پوشیدہ ہے۔ اوپر مکذبین رسول کا انجام بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو انجام مکذبین رسول کے لیے مقدر ہو چکا ہے اسی انجامِ بد سے دوچار ہونے کے لیے وہ مدعیانِ ایمان بھی تیار رہیں جو کفر اور ایمان دونوں کی کشتی پر بیک وقت سوار رہنا چاہتے ہیں۔

'وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ' جس طرح اوپر مشرکین کی بابت فرمایا تھا کہ 'وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ' اللہ مشرکوں کو بامراد نہیں کرے گا اسی طرح یہاں کفر و اسلام دونوں کے درمیان ڈانواڈول لوگوں کی بابت ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے فاسقوں کو بامراد نہیں کرے گا۔ 'فسق' کا لفظ خروج عن الایمان کے مفہوم میں ہے جس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ جو لوگ اللہ و رسولؐ کے مقابل میں اہلِ کفر کو اپنا دوست اور معتمد بناتے ہیں وہ ایمان کے دعوے کے باوجود ایمان سے نکل جاتے ہیں۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۲۵-۲۷)

کمزوروں کی ہمت افزائی

'لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ' یہ بات انہی مذبذبین کی ہمت افزائی کے لیے فرمائی گئی ہے

کہ ان سے جنگ کرنے میں ہچکچاؤ نہیں، جس خدا نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی ہے اس کی مدد اب بھی تمہارے شاملِ حال ہے۔ ہجرت کے بعد سے فتح مکہ تک متعدد جنگیں مشرکین کے ساتھ ہو چکی تھیں جن میں سے ایک آدھ کے سوا سب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی۔ اب ان سب کا حوالہ دے کر فرمایا کہ جس خدا کی نصرت ہمیشہ تمہارے ہمرکاب رہی ہے اس پر بھروسہ رکھو، وہ تمہیں اپنی مدد سے محروم نہیں کرے گا۔

غزوۂ حنین کی مثال سے کمزوروں کی ہمت افزائی

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا ' یہ ایک شبہ کا، جو مذکورہ وعدۂ نصرت سے متعلق کمزور ذہنوں میں پیدا ہو سکتا تھا، برسر موقع ازالہ ہے۔ اس سے کچھ ہی پہلے جنگ حنین میں مسلمانوں کو اول اول شکست کی افتاد سے سابقہ پیش آ چکا تھا۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اس حادثہ کی اصلی نوعیت واضح کر دی جائے۔ فرمایا کہ حنین کے دن بھی اللہ نے تمہاری مدد فرمائی البتہ یہ ہوا کہ شروع شروع میں تمہاری کثرت تعداد نے تمہارے اندر غلط قسم کی خود اعتمادی اور بے پروائی پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہیں شکست سے سابقہ پیش آیا اور تم میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور مومنین مخلصین پر عزم و حوصلہ اتارا اور تمہاری مدد کے لیے اپنی غیبی فوجیں بھیجیں اور کفار کو تمہارے ہاتھوں پامال کروایا۔

غزوۂ حنین میں ابتدائی شکست کی وجہ

مطلب یہ کہ فتح تو اللہ نے تمہیں اس جنگ میں بھی دی البتہ تمہاری غلطی پر تمہیں تنبیہ کرنے کے بعد دی۔ غزوۂ حنین میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر ۱۲ ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ مسلمان اس سے پہلے بارہا قلیل تعداد اور معمولی اسلحہ سے کفار کی بڑی بڑی فوجوں کو شکست دے چکے تھے۔ وہ جب پہلی بار ایک لشکر جرار کی شکل میں نکلے تو یہ خیال تو ان کے دل میں پیدا ہونا ہی تھا کہ بھلا آج ہمارے مقابل میں کون ٹک سکتا ہے؟ اس غلط خود اعتمادی سے قدرتی طور پر ان کے اندر بے پروائی پیدا ہو گئی۔ بہتوں کے اندر نہ اللہ کی طرف وہ توجہ ہی باقی رہ گئی جس کی ہدایت سورۂ انفال کی آیت ۴۵ میں فرمائی گئی تھی کہ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ کامیابی حاصل کرو) اور نہ نظم اور ڈسپلن، انضباط اور اخلاص و انابت کا وہ اہتمام ہی باقی رہا جس کی تاکید آیت ۴۶ - ۴۷ میں فرمائی گئی ہے أَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور اختلاف رائے نہ پیدا ہونے دو ورنہ ہمت ہار بیٹھو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، ثابت قدم رہو کیونکہ اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہوتا ہے اور ان لوگوں کی مانند نہ ہونا جو اپنے گھروں سے اتراتے اور نمائش کرتے نکلے) اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح پیغمبر کی حکم عدولی اور تنازع فی الامر نے احد میں

شکست سے دوچار کیا اسی طرح کثرتِ تعداد کے عُجب وغرور نے حنین میں خطرے سے دوچار کیا اس لیے کہ اس غزوے میں اس بطر و ریا کی جھلک تھی جو اللہ کو ناپسند ہے اور جس سے اس نے اپنی راہ میں جہاد کے لیے نکلنے والوں کو روکا ہے۔ اس قسم کا غرہ آدمی کا اعتماد اللہ کے بجائے اسباب و وسائل پر جما دیتا ہے درآنحالیکہ مومن کا اعتماد ہر حال میں اللہ ہی پر ہونا چاہیے۔ اگر اللہ کا بھروسہ کمزور ہو جائے تو بڑی سے بڑی تعداد اور زیادہ سے زیادہ اسباب و وسائل سب خس و خاشاک بن کے رہ جاتے ہیں اور جن لوگوں کو یہ گھمنڈ ہوتا ہے کہ کوئی ہمارے مقابل میں ٹک نہیں سکتا ان کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ زمین اپنی تمام وسعتوں اور پہنائیوں کے باوجود ان پر اس طرح تنگ ہو جاتی ہے کہ انھیں کوئی راہ فرار سجھائی نہیں دیتی۔ 'فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ' میں اسی صورتِ حال کی تصویر ہے۔

غزوۂ حنین میں شکست کے بعد فتح

'ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ' اسلوبِ بیان اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ جو کچھ پیش آیا محض بطور تنبیہ و تذکیر پیش آیا۔ اس تنبیہ کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم جما دیے اور وہ اس طرح کہ اس نے اپنے پیغمبر اور اس کے مخلص جاں نثاروں پر سکینت نازل فرمائی اور ان کی سکینت دوسروں کے اندر سکینت پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔ اس جنگ کے جو حالات سیرت و مغازی کی کتابوں میں مذکور ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فوج میں بھگدڑ مچ گئی تو صرف سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑے سے جاں نثاروں کے ساتھ اپنی جگہ پر جمے رہے۔ بالآخر آپ ہی کی عزیمت و استقامت نے دوسروں کے اندر روح پھونکی اور منتشر شیرازہ از سرِ نو مجتمع ہوا اور اللہ نے شکست کے بعد فتح سے نوازا اور مومنین کے ہاتھوں کفار کو وہ سزا ملی جو ان کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔ 'سکینت' سے مراد جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، قرار، عزم اور حوصلہ ہے۔ اور 'جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا' سے اشارہ ملائکہ کی غیبی افواج کی طرف ہے جو ہر جگہ اہلِ ایمان کی ہم رکاب ہوتی ہیں گو وہ ناسوتی نگاہوں سے نظر نہیں آتیں۔

اپنے کافر عزیزوں کے باب میں تشویش میں مبتلا لوگوں کے لیے بشارت

'ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ' الآیۃ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان سب واقعات کے بعد بھی اللہ ان لوگوں کو توبہ کی توفیق دے گا جن کے اندر صلاحیت کی کوئی رمق باقی ہے۔ یہ گویا ایک قسم کی بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے کافر عزیزوں کے باب میں تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ یہ مضمون آیت ۵ میں بھی گزر چکا ہے۔ یہ بشارت نہایت واضح الفاظ میں سورۂ نصر میں بھی وارد ہوئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۲۸)

اعلانِ براءت کے سلسلہ کی آخری ہدایت: مشرکین کو مسجد حرام کے پاس آنے کی ممانعت

یہ اس اعلانِ براءت کے سلسلہ کی آخری ہدایت ہے جس کا ذکر شروع سے چلا آرہا ہے۔ فرمایا کہ یہ مشرکین نجس ہیں اس وجہ سے اس سال کے بعد سے یہ مسجد حرام کے پاس پھٹکنے نہ پائیں۔ نجاست سے مراد ظاہر ہے کہ یہاں وہ عقائدی نجاست مراد ہے جس کی تفصیلات دوسرے مقامات میں بیان ہو چکی ہیں۔ فتح مکہ کے بعد بیت اللہ پر سے مشرکین کا تسلط تو ختم ہو چکا تھا لیکن ۹ھ کے حج تک ان کو یہ مہلت حاصل رہی کہ وہ حج کے لیے آتے اور اپنے جاہلی طریقے کے مطابق حج کے مراسم بھی ادا کرتے اور تجارتی خرید و فروخت بھی کرتے لیکن اسی حج کے موقع پر اعلانِ براءت کی عام منادی کے ساتھ ساتھ اس حکم کے بموجب یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ آئندہ سے مشرکین حج کے لیے نہ آئیں۔ یہ گویا حجۃ الوداع کی تیاریوں کی تمہید تھی کہ ۱۰ھ میں جب خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حج ادا فرمائیں تو مرکزِ ابراہیمؑ شرک و کفر کی ہر آلائش سے بالکل پاک ہو۔

تجارتی کساد بازاری کے اندیشے کا ازالہ

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ الآیۃ 'عیلۃ' کے معنی فقر و مفلسی کے ہیں۔ یہاں یہ معاشی اور تجارتی نقصان کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

ہم دوسرے مقام میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ حج کو جس طرح ایک بہت بڑی مذہبی عبادت کی حیثیت حاصل تھی اسی طرح تجارتی اور کاروباری پہلو سے بھی اس کی بڑی اہمیت تھی۔ اس موسم میں باہر کا مال مکہ میں پہنچتا اور مکہ کی چیزیں باہر کے تاجر خریدتے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کے کاروباری پہلو کو اتنی اہمیت حاصل ہو گئی تھی کہ قریش نے نسئی کا قاعدہ ایجاد کر کے حج کو ایک خاص موسم میں کر دیا تھا تاکہ موسموں کا تغیر تجارتی چہل پہل پر اثر انداز نہ ہو۔ اب اسلام کے دور میں آکر جب یہ اعلان ہوا کہ آئندہ مشرکین حج کے لیے نہیں آسکتے تو ان لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی جو کاروباری زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ مشرکین کو روک دینے سے کاروبار اور تجارت پر بڑا اثر پڑے گا جس سے مسلمانوں کی معاشی حالت خراب سے خراب تر ہو جائے گی۔ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے فرمایا کہ معاشی بدحالی کا غم نہ کرو۔ اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تمھیں غنی کر دے گا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ یہ وعدہ پورا ہوا اور اس طرح پورا ہوا کہ ایک دن کے لیے بھی مکہ کی تجارت اس بندش سے متاثر نہ ہوئی اور کچھ عرصہ بعد تو یہ حال ہوا کہ مصر و شام اور روم و ایران کے خزانے بھی اونٹوں پر لد لد کر اسلام کے بیت المال میں پہنچنے لگے اور اللہ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو اس طرح غنی کر دیا کہ لوگ اپنی زکوٰۃ کا مال مدینہ کی گلیوں میں لیے پھرتے تھے لیکن اس کا کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔

اصل قوت قوتِ ایمانی اعتماد کی ہے

إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ چیز بہرحال اللہ ہی کی مشیت پر منحصر ہے اور اللہ کی مشیت اس کے علم و حکمت پر مبنی ہے۔ تنگی یا کشادگی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں، اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اس وجہ سے اصل بھروسہ اللہ ہی پر ہونا چاہیے جس کا ہر کام

علم وحکمت پر مبنی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام میں اصلی قدروقیمت روحانی و ایمانی اقدار کی ہے۔ سیاسی اور معاشی مصالح ان کے تحت ہیں۔ ایمانی اقدار کے لیے معاشی مصالح قربان کیے جا سکتے ہیں لیکن پیٹ اور تن کے مفاد پر ایمان کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ آگے کا مضمون ـــــ آیات ۲۹-۳۵

آگے اہل کتاب ــ یہود و نصاریٰ ــ سے جہاد کا حکم دیا ہے اور اوپر جس طرح مشرکین کے باب میں ایک واضح اور قطعی پالیسی سامنے رکھ دی ہے اسی طرح ان کے باب میں بھی ایک واضح اور قطعی پالیسی کا اعلان کر دیا ہے کہ اب یہ اسلامی حکومت میں رہنا چاہتے ہیں تو صرف ذمی بن کر رہ سکتے ہیں۔ ان کے نقض عہد اور ان کی سازشوں کی تفصیل انفال میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی ان کے عقائد اور ان کے کردار کے ان پہلوؤں کی طرف بعض اشارات فرما دیے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مذہبی گروہ کی حیثیت سے اب ان کا وجود نہ صرف ایک ناکارہ وجود ہے بلکہ یہ سزاوار ہیں کہ اپنی کرتوتوں کی سزا بھگتیں ـــ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۹-۳۵

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا
يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ
مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ
هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ ع ۵ / ۱۰
النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ
يُضَاهِــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا
اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ

إِلَّآ أَن يُتِمَّ نُورَهُۥ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَرْسَلَ
رَسُولَهُۥ بِٱلْهُدَىٰ وَدِينِ ٱلْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ
وَلَوْ كَرِهَ ٱلْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النصف
ٱلْأَحْبَارِ وَٱلرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ
عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۗ وَٱلَّذِينَ يَكْنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلْفِضَّةَ وَلَا
يُنفِقُونَهَا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ
يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِى نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ
وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا۟ مَا كُنتُمْ
تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ آیات ۲۹-۳۵

ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے، نہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام ٹھہراتے اور نہ دین حق کی پیروی کرتے، جنگ کرو تا آنکہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں۔ ۲۹

اور یہود عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاریٰ مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں یہ سب ان کے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کی بات کی نقل کر رہے ہیں جو ان سے پہلے مبتلائے کفر ہوئے۔ اللہ ان کو غارت کرے کہاں ان کی عقل الٹی ہوئی جا رہی ہے۔ انھوں نے اللہ کے سوا اپنے فقیہوں اور راہبوں کو رب بنا ڈالا اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انھیں صرف ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی معبود

نہیں، وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ وہ کافروں کے علی الرغم اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس کو سارے دین پر غالب کر دے ان مشرکوں کے علی الرغم۔ ۳۰-۳۲

اے ایمان والو، ان فقیہوں اور راہبوں میں بہتیرے ایسے ہیں جو لوگوں کا مال باطل طریقوں سے ہڑپ کرتے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی ڈھیر کر رہے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ اس دن جس دن دوزخ میں اس پر آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا۔ تو اب چکھو جو تم جمع کرتے رہے ہو۔ ۳۴-۳۵

۴۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (۲۹)

اہل کتاب کے جرائم اور ان کے بارے میں حکم

اہل کتاب کے مذہبی اور سیاسی جرائم کی تفصیل بقرہ، آل عمران، مائدہ اور انفال سب میں بیان ہو چکی ہے۔ اگرچہ یہ لوگ نہ صرف ایمان کے مدعی تھے بلکہ اپنے آپ کو دین و شریعت کا تنہا اجارہ دار سمجھے بیٹھے تھے لیکن مذکورہ سورتوں میں پوری وضاحت سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ، آخرت اور شریعت کسی چیز پر بھی یہ ایمان نہیں رکھتے تھے۔ ایمان کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ اللہ کے شرائط کے تحت ہو لیکن ان کا ایمان اپنی خواہشوں اور بدعات کے تحت تھا۔ مشرکانہ عقائد ایجاد کر کے انھوں نے خدا کی نفی کر دی، اپنے آپ کو جہیتی اور مغفور امت قرار دے کر آخرت کا ابطال کر دیا اور اللہ اور رسول کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو جائز بنا کر شریعت کو کالعدم کر دیا۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کیا کہ اللہ نے اپنے آخری

رسول کے ذریعے سے، اپنے وعدے کے مطابق، جو دینِ حق بھیجا تو اس کو نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کیا بلکہ اس کی مخالفت میں اپنا پورا زور صرف کر دیا اور اس کے خلاف برابر سازشوں میں سرگرم رہے۔ فرمایا کہ اب، یہ مفسدین کسی مزید مہلت کے حقدار باقی نہیں رہ گئے ہیں۔ ان سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ یہ مغلوب ہو کر جزیہ دیں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں۔

'عَنْ یَدٍ' کا مفہوم

حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّ ہُمۡ صٰغِرُوۡنَ۔ 'ید' کے اصل معنی تو ہاتھ کے ہیں لیکن یہ غلبہ، تسلط اور اختیار و اقتدار کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی ان کی طرف سے یہ ادائیگیٔ جزیہ تمہارے اقتدار و غلبہ کے نتیجہ میں ہو۔ ان سے جنگ کر کے ان کے کس بل اس طرح نکال دو کہ یہ تمہارے آگے گھٹنے ٹیک دیں اور ہاتھ باندھ کر جزیہ دینے پر راضی ہوں۔ 'وَّ ہُمۡ صٰغِرُوۡنَ' یعنی تمہاری ماتحتی و محکومی قبول کریں اور اس کو غنیمت جانیں۔

جزیہ کی حیثیت

یہ جزیہ ایک ٹیکس ہے جو تمام بالغ اور کماؤ افراد پر اس امان کے معاوضہ کے طور پر لگایا گیا جو ان کے جان و مال اور زن و فرزند کو اسلامی حکومت کے اندر حاصل ہوتی۔ اس کی مقدار افراد کی حیثیت اور صلاحیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھی جس میں چھوٹ اور رعایت کی بھی بڑی گنجائش رکھی گئی تھی۔ تفصیلات اس کی ہماری کتاب اسلامی ریاست میں، غیر مسلموں کے حقوق کے باب میں ملے گی۔

اہل کتاب اور مشرکین میں فرق کی وجہ

یہاں ایک بات بہت نمایاں طور پر محسوس ہوگی کہ اہل کتاب کے ساتھ جو معاملہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے وہ اس سے مختلف ہے جس کی ہدایت اوپر مشرکین کے باب میں کی گئی ہے۔ مشرکین کے باب میں تو یہ حکم ہوا کہ جب تک یہ کفر سے توبہ کر کے اسلام نہ اختیار کر لیں اس وقت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑو لیکن ان اہل کتاب کو جزیہ کی ادائیگی پر امان دے دینے کی ہدایت ہوئی۔ اس فرق کی وجہ وہی ہے جس کی وضاحت ہم پیچھے کر چکے ہیں کہ مشرکین عرب کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت براہِ راست تھی، آپؐ انہی کے اندر سے اٹھائے گئے، انہی کی زبان میں آپؐ پر اللہ کا کلام اترا اور انہی کو آپؐ نے اپنی دعوت کا مخاطب اول بنایا اور ہر پہلو سے انہی کے معروف و منکر اور انہی کے مطالبات کے مطابق آپ نے ان پر اتمام حجت کیا۔ اس اہتمام کے بعد ان کے لیے کسی مزید مہلت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ چنانچہ مشرکین بنی اسمٰعیل ذمی نہیں بنائے جا سکتے تھے لیکن دوسرے غیر مسلموں کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ اسلامی حکومت میں ذمی بن کر رہ سکتے ہیں۔

دوسرے غیر مسلموں کا حکم

اصلاً تو یہاں جو حکم بیان ہوا ہے وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے لیکن صحابہؓ کے زمانہ ہی میں یہ مسئلہ بھی طے پا چکا تھا کہ یہی حکم دوسرے غیر مسلموں کا بھی ہے۔ چنانچہ مجوس کے ساتھ، ان کو شبہ اہل کتاب قرار دے کر، یہی معاملہ کیا گیا جس کی ہدایت یہاں اہل کتاب کے باب میں ہوئی

ہے۔ اس باب میں فقہا میں کوئی اختلاف رائے ہے تو وہ فروعی نوعیت کا ہے جس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

مفتوح اور معاہد اہلِ ذمہ کا حکم

یہ بات یہاں خاص طور پر ذہن میں رکھنے کی ہے کہ آیت میں جو حکم بیان ہوا ہے وہ مفتوح اہلِ ذمہ کا ہے یعنی جنھوں نے اسلامی حکومت سے جنگ کی ہو اور شکست کھا کر اس کی اطاعت پر مجبور ہوئے ہوں۔ وہ اہلِ ذمہ اس سے الگ ہیں جن کو فقہاء نے معاہد یا اہلِ صلح سے تعبیر کیا ہے۔ معاہد اہلِ ذمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے بغیر کسی جنگ و قتال کے بطورِ خود اپنی مرضی سے اسلامی حکومت کی رعیت بن کر رہنا اختیار کیا ہو۔ ان لوگوں کے ساتھ حکومتِ اسلامی اس عہد نامے کے مطابق معاملہ کرے گی جو ان کے اور حکومت کے مابین طے پا چکا ہو۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس بات پر مصر ہوں کہ ان پر بھی اسی طرح کے مالی واجبات عائد کیے جائیں جو مسلمانوں پر عائد ہیں تو حکومت ان سے اپنی صواب دید کے مطابق اس شرط پر بھی معاہدہ کر سکتی ہے، دوسرے لفظوں میں اس فرق کو یوں سمجھیے کہ اگر جزیہ کی ادائیگی میں وہ عار اور ذلت محسوس کریں تو ان کو اس سے مستثنیٰ کر کے ان کے لیے کوئی اور مناسب شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔ ان لوگوں سے جو معاہدہ بھی طے پا جائے بلا کسی سبب معقول کے اس کو توڑنے کی اسلام میں سخت ممانعت آئی ہے۔ ہم نے اہلِ ذمہ کی ان دونوں قسموں پر اپنی کتاب اسلامی ریاست میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ جو لوگ مسئلہ کو دلائل کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہوں وہ اس کتاب کا مطالعہ کریں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (۳۰-۳۱)

'وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ'۔

عزیر کا زمانہ

'عزیر' کا نام تورات میں 'عزرا' آیا ہے۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ بخت نصر کے ہاتھوں یہود پر جو تباہی آئی اس میں تورات کے صحیفے بھی بالکل ناپید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی عزرا ہیں جنھوں نے اپنی یادداشت سے از سرِ نو تورات کو مرتب کیا۔ عجب نہیں کہ ان کے اسی کارنامے کی بنا پر یہود نے ان کو ابن اللہ بنا دیا ہو تاکہ اس ڈھونس سے ان کی مرتب کی ہوئی تورات کو درجۂ استناد حاصل ہو سکے اور اگر کوئی اس پر شبہ وارد کرے تو اس کو یہ جواب دے کر چپ کیا جا سکے کہ یہ وہی تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اس کی گم شدگی کے بعد اللہ نے اپنے بیٹے عزرا کے ذریعے سے اس کو از سرِ نو مرتب کرایا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اس دور کے مشرکانہ ماحول میں اس قسم کا کوئی اشتغلا بہت کارآمد ہو سکتا تھا۔ مجھے یہود کے لٹریچر میں، یہود کے اس واہمہ کی کوئی

تفصیل نہیں مل سکی۔ لیکن قرآن کا انداز بیان شاہد ہے کہ یہود کے ہاں یہ ایک جانی پہچانی ہوئی بات تھی۔ اگر یہ جانی پہچانی ہوئی بات نہ ہوتی تو وہ قرآن کے اس بیان کے خلاف ضرور اعتراض اٹھاتے۔ چنانچہ قرآن نے اس ذیل میں یہ جو فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے احبار اور رہبان کو رب بنا لیا ہے تو بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال اٹھایا کہ ہم احبار و رہبان کو رب تو نہیں مانتے۔ آنحضرتؐ نے ان کے اس سوال کا ان کو مسکت جواب دیا تب وہ مطمئن ہوئے۔ اسی طرح اگر قرآن کی اس بات پر کسی کو شبہ یا اعتراض ہوتا تو وہ ضرور سوال اٹھاتا لیکن اس طرح کا کوئی اعتراض یا شبہ کہیں نقل نہیں ہے۔

حضرت مسیحؑ کے ابن اللہ بنانے کی بحث پوری تفصیل سے آل عمران کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اس کو اس کے محل میں دیکھیے۔

اہل کتاب کے عدم ایمان کے دلائل

اوپر والی آیت میں یہود و نصاریٰ کے متعلق یہ بات جو بیان ہوئی ہے کہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اب یہ اس کے دلائل بیان ہو رہے ہیں کہ یہود نے عزیر کو خدا کا بیٹا بنایا اور نصاریٰ نے مسیح کو اور اس شرک کے بعد خدا پر ان کا ایمان معتبر نہیں۔ خدا پر ایمان کی یہ بنیادی شرط ہے کہ اس کی ذات، صفات اور اس کے حقوق میں کسی کو ساجھی نہ قرار دیا جائے۔

ذٰلِکَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یعنی یہ ان کے اپنے منہ کی باتیں ہیں جو انھوں نے خود گھڑی ہیں۔ خدا نے کہیں یہ نہیں کہا ہے کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں یا مسیح خدا کے فرزند ہیں۔

اہل کتاب میں اگلوں کی عامیانہ تقلید

یُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ، 'مضاہات' کے معنی مشابہت و مشاکلت کے ہیں۔ یعنی ان سے پہلے جن لوگوں نے یہ کلمہ کفر ایجاد کیا یہ بے سمجھے بوجھے طوطے کی طرح اس کی نقل کیے جا رہے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی تفسیر میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ نے اپنی بدعات میں نقل تو اڑائی ہے ہم عصر مشرک قوموں کی لیکن ان پر رنگ چڑھایا ہے اپنے ہاں کے متشابہ الفاظ و کلمات کا۔ مثلاً پال نے مسیحیت کو رومیوں اور یونانیوں میں مقبول بنانے کے لیے ان کے عقائد اور مشرکانہ تصورات سے مواد اخذ کیا اور پھر لفظ کلمہ 'اب' 'ابن' وغیرہ کی مدد سے، جو انجیلوں میں خدا اور مسیح کے لیے استعمال ہوئے تھے، ایک پوری متھالوجی تیار کر دی۔ لفظ 'اب' اور 'ابن' جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں، عبرانی میں باپ اور رب، بیٹے اور بندے کے معنوں میں استعمال ہوتے تھے اور اپنے محل میں یہ اپنے مفہوم کو بے تکلف واضح کرتے تھے لیکن جب عبرانی زبان ایک متروک زبان بن گئی اور مسیحیوں کے ہاتھوں میں صرف انجیلوں کے ترجمے رہ گئے تو ان الفاظ کے وہی مفہوم اصلی مفہوم بن گئے جو ترجمہ کی زبان میں معتبر تھے۔ مثلاً عرب کے عیسائی 'اب' اور 'ابن' کے الفاظ ٹھیٹھ باپ اور بیٹے کے معنی میں لینے لگے اس لیے کہ عربی میں ان کے یہی مفہوم معتبر تھے۔ یہی صورت حال دوسرے

مقامات میں بھی پیش آئی کہ عقائد کا ماخذ اصل کتاب نہیں رہ گئی بلکہ ترجمہ کی زبان بن گئی۔ قرآن نے یہاں اسی گمراہی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے پیشرو گمراہوں نے ان کے لیے جو گورکھ دھندا کفر و ضلالت کا تیار کر دیا ہے یہ آنکھ بند کر کے اسی کی تقلید کیے جا رہے ہیں اور اصل حقیقت کی طرف توجہ دلانے والوں کی بات پر کان نہیں دھرتے۔

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ، 'قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ' عربی میں لعنت کا کلمہ ہے۔ جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں خدا ان کو غارت کرے۔ 'اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ' تعجب اور حسرت و افسوس دونوں کا حامل ہے اور اس موقع کے لیے موزوں ہے جب کوئی شخص بالکل بدیہی حقائق کے خلاف، کوئی روش اختیار کرے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ۔

احبار و رہبان کو رب بنانے کا مفہوم

اوپر فرمایا تھا وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ اب یہ اس کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ انھوں نے اپنے فقیہوں اور راہبوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔ 'احبار'، 'حبر' کی جمع ہے جس کا غالب استعمال یہود کے فقہا کے لیے ہوا ہے۔ 'رہبان'، 'راہب' کی جمع ہے۔ یہ نصاریٰ کے مشائخ اور صوفیوں کے لیے معروف ہے۔ ان کو رب بنانے کی حقیقت عدی بن حاتم کی ایک مشہور روایت سے واضح ہوتی ہے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ اپنے احبار و رہبان کو رب تو نہیں مانتے۔ حضورؐ نے فرمایا، کیا یہ بات نہیں ہے کہ جو وہ حرام کر دیں اس کو وہ حرام مان لیتے ہیں اور جس چیز کو جائز کر دیں اس کو وہ جائز مان لیتے ہیں؟ بولے یہ بات تو ہے۔ حضورؐ نے فرمایا یہی ان کو رب بنانا اور یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔

مسیح ابن مریمؑ کے بارے میں مزعومات

وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ، اسی سیاق میں فرمایا کہ نصاریٰ نے مسیح ابن مریم کو رب بنا لیا لیکن فی الجملہ امتیاز پیدا کرنے کے لیے ان کا ذکر الگ کر دیا تاکہ ان تمام مزعومات کی طرف اشارہ ہو جائے جو نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ سے متعلق ایجاد کیے۔ وہ رب تو بنائے ہی گئے لیکن مزید برآں یہ ہوا کہ ان کو خدا کا بیٹا بلکہ عین خدا بنا دیا گیا۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ یعنی یہ شرک انھوں نے اس کے باوجود اختیار کیا کہ تورات اور انجیل دونوں میں نہایت تاکید اور وضاحت کے ساتھ صرف اللہ واحد کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے متعلق ضروری حوالے ہم تفسیر سورہ آل عمران میں نقل کر آئے ہیں۔[1]

'سُبْحٰنَهٗ' کا مفہوم

'سُبْحٰنَهٗ'، کا لفظ تنزیہہ کے لیے آتا ہے لیکن اس کے اندر توحید کی نہایت واضح منطقی دلیل بھی ہے۔ وہ یوں کہ کسی چیز کی مسلّم اور بنیادی صفات سے بالکل متناقض صفات کا اس کے ساتھ

---

[1] ملاحظہ ہو تدبر قرآن جلد دوم: ص ۱۱۳

جوڑ ملانا بالبداہت خلافِ عقل ہے۔ اس اصول کے مطابق خدا کا کسی کو شریک ٹھہرانا اس کی شانِ الوہیت کے منافی ہے کیونکہ اس سے اس کی مسلمہ صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث اپنے مقام میں گزر چکی ہے۔

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (۳۲-۳۳)

حق کی مخالفت من گھڑت باتوں سے

'يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا' اوپر آیات ۲۹-۳۰ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اللہ نے ان کو گمراہی سے نکالنے کے لیے اپنا دینِ حق بھیجا ہے لیکن یہ اس کی پیروی پر آمادہ نہیں ہیں اور ان باتوں کی آڑ لے کر اس کی مخالفت کر رہے ہیں جو محض ان کے منہ کی باتیں ہیں، نہ ان کے لیے ان کے پاس خدا کی کوئی سند ہے، نہ عقل و فطرت ہی کے اندر ان کی کوئی شہادت ہے۔ اب یہ اسی حقیقت کو ایک تمثیلی رنگ میں نمایاں کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے دینِ حق کی اپنی منہ زبانی باتوں کی سند پر مخالفت کرنا ایسا ہی ہے کہ کوئی سورج کو مٹی کا دیا سمجھ کر اس کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ تو یہ کوشش کر رہے ہیں لیکن اللہ نے یہ فیصلہ فرما لیا ہے کہ وہ اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا اور وہ افق سے خورشیدِ جہاں تاب بن کر چمکے گا اور اللہ کا یہ فیصلہ ان کافروں کی تمام مخالفتوں کے علی الرغم پورا ہو گا۔ یہ آیت سورۂ صف میں بھی زیرِ بحث آئے گی وہاں ہم اس کے بعض خاص پہلو نمایاں کریں گے۔

دینِ حق کے غلبہ کی بشارت

'هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ' اس آیت کے مضمون کی وضاحت بقرہ آیت ۱۹۲ اور انفال آیت ۳۹ کے تحت بھی ہو چکی ہے۔ وہاں ہم نے بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ سرزمینِ حرم کفر و شرک کی ہر آلائش سے پاک ہو جائے اور دینِ حق کے سوا کوئی اور دین یہاں دینِ غالب کی حیثیت سے باقی نہ رہے تاکہ دعوتِ ابراہیمی کا یہ مرکز، دعائے ابراہیمی کے بموجب، تمام عالم کے لیے ہدایت اور روشنی کا سرچشمہ بن جائے۔ وہی بات یہاں فرمائی گئی کہ جس طرح یہ اہلِ کتاب اپنی پھونکوں سے خدا کے چراغ کو گل نہ کر سکیں گے اسی طرح مشرکینِ عرب کی کوششیں بھی اس دین کو مغلوب نہ کر سکیں گی بلکہ یہ ان کی تمام کوششوں کے علی الرغم اس سرزمین کے ہر دین پر غالب ہو کے رہے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ (۳۴-۳۵)

اہل کتاب کے جرائم خلق کے باب میں

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ' اوپر اہل کتاب کے وہ جرائم بیان ہوئے ہیں جن کے مرتکب وہ خالق کے حقوق کے باب میں ہوئے، اب یہ ان کے وہ جرائم بیان ہو رہے ہیں جن کے مرتکب وہ خلق کے باب میں ہوئے ہیں تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ کسی پہلو سے بھی اب ان کی کوئی افادیت باقی نہیں رہی ہے بلکہ ہر اعتبار سے یہ خدا کی زمین کے لیے ایک بوجھ بن چکے ہیں، اور سزاوار ہیں کہ ان کے لعنتی وجود سے خلق خدا کو نجات ملے۔ یہ خاص پہلو بھی ملحوظ رہے کہ عوام کے کردار کے بجائے یہاں علماء اور مشائخ کے کردار کو بے نقاب کیا ہے تاکہ یہ حقیقت سامنے آجائے کہ جن کے علماء اور مشائخ کا کردار اس درجہ فاسد ہو چکا ہے ان کے عوام کا کیا ذکر اور اب ان کی اصلاح کی کیا توقع! اصلاح کا یہ ذریعہ علماء و مشائخ ہی ہو سکتے تھے۔ جب وہی مال و دولت کے پجاری بن کر رہ گئے ہیں تو اصلاح کن کے ہاتھوں ہوگی۔

علمائے اہل کتاب کی زرپرستی

یہود کے ہاں قضا اور افتاء وغیرہ کے تمام مناصب ان کے علماء اور فقہا ہی کے ہاتھ میں تھے۔ اور عیسائیوں کے پادری تو لوگوں کو نجات کے پروانے تک بانٹنے کے مجاز تھے پھر اس پر مستزاد یہ کہ ان لوگوں نے صدقات و زکوٰۃ وغیرہ کی آمدنیوں کا مصرف اپنے آپ کو قرار دے لیا تھا اس وجہ سے ان کے لیے ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹنے کے نہایت وسیع دروازے کھلے ہوئے تھے۔ سودی کاروبار بھی انھوں نے کھلے بندوں اختیار کر رکھا تھا۔ قرآن میں یہ اشارہ بھی ہے کہ غیر اسرائیلیوں کے مال کو یہ شیر مادر سمجھتے تھے۔ سیدنا مسیحؑ نے ان لوگوں کی زرپرستی پر نہایت سخت الفاظ میں ملامت فرمائی۔ ہیکل کی انتظامیہ اور اس کے کارپردازوں کا جو حال تھا اس کو دیکھ کر حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ تم نے میرے باپ (رب) کے گھر کو چوروں کا بھٹ بنا دیا ہے، یہ بھی فرمایا کہ تم اوروں کو تو زیرے اور سونف پر بھی عشر کا حساب بتاتے ہو لیکن خود دوسروں کا مال ہڑپ کر جاتے ہو۔

رہزن اور بٹ مار علماء

وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ' میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ان علماء نے اپنے فرائض منصبی کے بالکل برعکس طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ علماء و مشائخ پر اللہ کی طرف سے تو یہ فریضہ عاید کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کا راستہ دکھائیں لیکن یہ اپنی ساری قابلیت لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے پر صرف کر رہے ہیں اور ہادی و مرشد بننے کے بجائے سیدنا مسیحؑ کے الفاظ میں رہزن اور بٹ مار بن گئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں علمائے یہود کی ان مفسدانہ کوششوں کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے جو انھوں نے لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لیے کیں۔

انفاق کی حقیقت اور اس کی برکات

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اگرچہ اس ٹکڑے میں اشارہ انہی زرپرستوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر گزرا لیکن اس کا اسلوب بیان عام تعلیم

کہا ہے کہ جو لوگ بھی دولت جمع کریں گے اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کریں گے ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ اس تعلیم کا واضح مدعا یہی ہے کہ دولت جمع کرنے کے لیے نہیں بلکہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہے۔ 'خدا کی راہ' سے مراد، جیسا کہ دوسرے مقام میں وضاحت ہو چکی ہے، وہ تمام مصارفِ خیر ہیں جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں یا بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کے تحت آتے ہیں۔ یہ بات یہاں پیش نظر رکھنے کی ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ جو لوگ مالک نصاب ہوتے زکوٰۃ نہیں دیں گے ان کے لیے یہ وعید ہے بلکہ یہ فرمایا کہ جو لوگ مال و دولت ذخیرہ کریں گے اور اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کریں گے ان کے لیے یہ وعید ہے۔

قانونی اور اختیاری انفاق

انفاق فی سبیل اللہ ایتائے زکوٰۃ سے الگ چیز ہے۔ ہر صاحب مال سے اللہ تعالیٰ کے دو مطالبے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے، دوسرا یہ کہ وہ اپنا مال سینت کر رکھنے کی بجائے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ پہلا مطالبہ قانونی ہے اور ایک اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ وہ ہر شہری سے زکوٰۃ، اگر محسوس کرے، بجبر و بزور وصول کرے۔ دوسرا مطالبہ اگرچہ جبر و زور کے ذریعہ سے پورا نہیں کرایا جا سکتا بلکہ یہ صاحب مال کے اختیار پر چھوڑا گیا ہے لیکن اللہ کے ہاں آدمی کے درجہ و مرتبہ کا اصلی انحصار اسی آزادانہ اور رضاکارانہ انفاق پر ہے۔ اسی انفاق سے آدمی کے ایمان کو، جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں واضح کر آئے ہیں، ثبات و استحکام حاصل ہوتا ہے، یہی انفاق حکمت کا خزانہ بخشتا ہے، اسی سے نورِ قلب میں افزونی ہوتی ہے۔ اگر مال کے ڈھیر رکھتے ہوئے کوئی شخص اپنے پاس پڑوس کے یتیموں، بے کسوں، ناداروں سے بے پروا رہے یا دعوت دین، اقامت دین، تعلیم دین اور جہاد فی سبیل اللہ کے دوسرے کاموں سے بے تعلق ہو جائے تو وہ عند اللہ مواخذہ اور مسئولیت سے بری نہیں ہو سکتا اگرچہ اس نے اپنے مال کا قانونی مطالبہ پورا کر دیا ہو۔ آگے اسی سورہ میں ان منافقین کا بیان آئے گا جو مال رکھتے ہوئے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے تھے۔ قرآن نے ان کی اس زر پرستی کو ان کے نفاق کی دلیل قرار دیا ہے اور نہایت ہی سخت الفاظ میں ان کو وعید سنائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وعید ان کو زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر نہیں سنائی گئی ہے۔ زکوٰۃ تو وہ طوعاً و کرہاً بہرحال ادا کرتے ہی تھے۔ نہ ادا کرتے تو تلوار کے زور سے ادا کرتے۔ ان کا اصلی جرم یہی تھا کہ وہ مال دار ہونے کے باوجود جہاد کے لیے انفاق سے جی چراتے تھے اور جہاد کے لیے انفاق سے جی چرانا علامات نفاق میں سے ہے بلکہ بعض حالات میں تو یہ نہایت غلیظ قسم کا نفاق بن جاتا ہے جس کے ساتھ ایمان جمع ہو ہی نہیں سکتا۔

صحابہ کرامؓ کی دولت مندی کی نوعیت

بعض لوگ بعض صحابہؓ کی دولت مندی کو مثال میں پیش کر کے اس سے استدلال کرتے ہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ کے ساتھ دولت جمع کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ صحابہؓ میں جو لوگ دولت مند تھے ان کی دولت مندی کاروباری اور تجارتی نوعیت کی تھی۔ جائز کاروبار

اور تجارت میں سرمایہ لگانا اور اس کو بڑھانا کنز نہیں بلکہ اکتساب دولت ہے اور اسلام میں کوئی مذموم فعل نہیں بلکہ ایک محمود فعل ہے۔ اگر ایک شخص ایک جائز کاروبار میں سرمایہ لگائے، حلال راستوں سے روپیہ کمائے، اسراف اور بخل دونوں سے پرہیز کرتا ہو، اپنی ضروریات پر خرچ کرے، اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے اور اپنی فاضل دولت سراً اور علانیۃً اللہ کی راہ میں اپنی مرضی سے خرچ کرے تو وہ اسلامی معاشرہ کا ایک سچا خدمت گزار اور آخرت میں اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ صحابہ میں سیدنا عثمان غنیؓ ایسے ہی دولت مند تھے اور دوسرے اصحاب کی دولت مندی بھی اسی نوعیت کی تھی۔ عثمان غنیؓ کی دولت سے مسلمانوں کو جو فائدے پہنچے اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ پھر یہ بات کس طرح باور کی جا سکتی ہے کہ یہ غنیؓ دریا دل اپنی زندگی کے آخری دور میں اپنی انفاق کی عادت مستمرہ کے خلاف دولت جمع کرنے کی فکر میں لگ گیا ہوگا۔

زکوٰۃ اور انفاق میں فرق

لیکن یہ خوب یاد رکھیے کہ یہ انفاق زکوٰۃ کی طرح کوئی قانونی اور جبری چیز نہیں بلکہ اختیاری چیز ہے۔ اور اس کے اس اختیاری ہونے ہی میں اس کی ساری برکتیں ہیں۔ ایک اسلامی معاشرہ میں یہ چیز ہر صاحب مال سے مطلوب ہے لیکن بالجبر نہیں بلکہ بالرضا۔ یہ حکومت کے فرائض میں ہے کہ وہ معاشرہ کے اندر لوگوں کے اندر دولت کی ذخیرہ اندوزی کی بیماری نہ پھیلنے دے بلکہ برابر اپنے تمام ترغیبی و تعلیمی ذرائع سے لوگوں کے جذبۂ انفاق کو ابھارتی اور اکساتی رہے۔ اس کا سب سے زیادہ کارگر اور موثر طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اولوالامر کے درجہ پر فائز ہوں وہ خود معیار زندگی متوسطانہ رکھیں اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیں بلکہ ان رجحانات کی شدت سے حوصلہ شکنی کریں جو لوگوں کو معیار زندگی اونچا کرنے کے تنافس میں مبتلا کرنے والے ہوں۔

جمع مال کا انجام

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ الاية یعنی راہ خدا سے بچا اور چرا کر جو دولت جمع کی جاتی ہے وہ قیامت کے دن پیشانی کا داغ اور پہلو اور پیٹھ کا زخم بنے گی۔ دولت جمع کرنے کی سرگردانی میں بڑا دخل دو چیزوں کو ہوتا ہے۔ ایک ہم چشموں میں اپنا سر اونچا رکھنے کی خواہش دوسری اپنے ذاتی آرام و راحت کی طلب۔ فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں سربلندی اور فخر کی خاطر دولت جمع کریں گے ان کی دولت بروز قیامت ان کی پیشانی پر داغ لگائے گی۔ اسی طرح جو لوگ نرم ریشمیں و مخملیں گدوں، غالیچوں، قالینوں اور صوفوں کے درپے ہو کر انفاق کی سعادت سے محروم رہیں گے ان کی یہ بچائی ہوئی دولت ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو زخمی کرے گی۔

۱۴۔ آگے کا مضمون ___ آیات ۳٦-۳۷

اوپر کی آیات میں مشرکین اور اہل کتاب دونوں گروہوں سے جنگ کا حکم دینے کے بعد آگے کی

دو آیتوں میں چاروں محترم مہینوں کا احترام باقی رکھنے کی تاکید کر دی۔ یہ اسی ہدایت کی تاکید مزید ہے جو آیت ۵ میں گزر چکی ہے کہ جب محترم مہینے گزر جائیں تب ان سے جنگ شروع کرو۔ اس احترام کی تاکید کے ساتھ ان مہینوں کے باب میں نسئی کی اس بدعت کی اصلاح بھی فرما دی جو مشرکین عرب نے اہل کتاب سے اخذ کی تھی۔ پیچھے ہم ذکر کر آئے ہیں کہ عربوں نے اپنے تجارتی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کبیسہ کے قاعدے پر ایک ایسی جنتری بنالی تھی کہ اشہر حرم برابر ایک ہی موسم میں پڑتے تھے۔ اس بدعت نے قمری مہینوں کو ان کی اصل جگہ سے ہٹا دیا تھا۔ چونکہ قمری مہینے ہی اصل خدائی مہینے ہیں اور سیدنا ابراہیم کے وقت سے یہی مہینے حج و عمرہ کی ادائیگی کے لیے قرار پائے تھے اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اب جب کہ ملت ابراہیمؑ کی تجدید کا کام اپنے آخری مرحلہ میں داخل ہو رہا ہے۔ مشرکین کی اس بدعت کی بھی اصلاح کر دی جائے تاکہ اشہر حرم اور مناسک حج سب اپنی اصلی جگہ پر آجائیں۔ چنانچہ حجۃ الوداع ٹھیک اس تاریخ کو ہوا جو قمری حساب سے اس کی اصلی تاریخ تھی —— اس روشنی میں آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۳۶-۳۷ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ
يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ
الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ
كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾
اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ
عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ
فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا
ع ۵ / ۱۱ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمۂ آیات ۳۶-۳۷ بے شک مہینوں کی تعداد، اللہ کے ہاں، نوشتۂ الٰہی میں، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، بارہ مہینے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں۔ یہی دین قیّم

ہے تو تم ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ ڈھانا - اور مشرکوں سے جنگ کرو من حیث الجماعت' جس طرح وہ تم سے جنگ کرتے ہیں من حیث الجماعت - اور جان رکھو کہ اللہ خدا ترسوں کے ساتھ ہے۔ یہ نسیئ کفر میں ایک اضافہ ہے جو کافروں کی گمراہی کا ایک ذریعہ بنائی گئی - کسی سال اس کو حلال ٹھہرا دیتے ہیں کسی سال حرام کہ خدا کے حرام کیے ہوئے کی گنتی پوری کر کے اس کے حرام کیے ہوئے کو جائز بنا لیں - ان کی نگاہوں میں ان کے برے اعمال کھبا دیے گئے ہیں اور اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔ ۳۶-۳۷

۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (۳۶)

خدائی تقویم

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، یہ بطور تمہید قمری مہینوں کی عظمت و اہمیت واضح کی گئی ہے کہ یہی مہینے کائناتی، آفاقی اور خدائی مہینے ہیں اس لیے کہ ان کے تعین کے لیے قدرت نے خود، کائنات کے نظام میں ایک نہایت محکم انتظام کر دیا ہے جو پوری باقاعدگی سے سال اور مہینوں کا حساب ایک عامی سے عامی آدمی کے لیے بھی واضح کرتا رہتا ہے وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ - یونس ۵ (اور چاند کو روشنی بنایا اور اس کے لیے منزلیں ٹھہرائیں تاکہ تم سالوں کی تعداد اور حساب کا تعین کر سکو) یہی خدائی تقویم ہے جو نوشتۂ الٰہی میں موجود اور اس دن سے جاری و نافذ ہے جس دن خالق کائنات نے اس آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کی کوئی کائناتی شہادت ان تقویموں میں سے کسی بھی تقویم کے حق میں موجود نہیں ہے جو انسانوں نے بنائی ہیں۔ یہ خدائی کیلنڈر ہر مہینے میں افق پر نمایاں ہو کر، اپنے ہر روز بدلنے والے نمایاں اور چمک دار نشانوں کے ذریعے سے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب بتاتا رہتا ہے۔ اور کبھی اس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی - فِي كِتَابِ اللَّهِ یعنی اس خدائی کتاب میں، جس میں

اس کائنات سے متعلق تمام احکام و قوانین مندرج ہوئے، یہ حکم بھی مندرج ہوا کہ اس میں قمری مہینوں کے حساب سے ۱۲ مہینوں کا سال ہوگا جن میں سے چار مہینے حرمت والے قرار پائیں گے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان بارہ مہینوں میں کوئی کمی یا بیشی کرنا یا ان کو آگے یا پیچھے ہٹانا اس خدائی کیلنڈر میں خلل پیدا کرنا ہے جو کائنات کے خالق کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔

اصل دینی جنتری

'ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ' یعنی یہی صحیح، فطری اور کائناتی دینی تقویم ہے۔ جس طرح اسلام دین قیم ہے اس لیے کہ اس کی شہادت آفاق و انفس میں موجود ہے اسی طرح یہ قمری جنتری اصل دینی جنتری ہے اس لیے کہ اس کی شہادت آفاق میں موجود ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ جس طرح ہماری کھیتی باڑی میں فصلوں اور موسموں کا اعتبار ہے اسی طرح دینی امور میں بھی اوقات، ایام اور سالوں کا اعتبار ہے۔ جس طرح بے وقت اور بے موسم کی زراعت لاحاصل اور بے برکت ہو کے رہ جاتی ہے اسی طرح بے وقت کی نماز، بے وقت کا روزہ اور بے وقت کا حج بھی لاحاصل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہوا کہ اس جنتری کو بھی شرعی اور دینی حیثیت حاصل ہو جس کے تحت دین کی عبادات اور اس کے احکام و مناسک منضبط ہوتے ہیں۔ اسی پہلو سے اس تقویم کو دین قیم کہا ہے اس لیے کہ یہ بھی دین ہی کا ایک حصہ اور نہایت ہی اہم حصہ ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل کرنا دین میں تحریف کے ہم معنی ہے[1]۔

محترم مہینوں کا احترام

'فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ' یعنی نہ تو ان مہینوں میں ان کی حرمت کے خلاف کوئی کام کرو، نہ ان میں کسی قسم کا ردو بدل کرو۔ اگر تم نے خود پہل کر کے ان میں کوئی جنگ چھیڑی تو اس سے خدا کا کچھ نہیں بگاڑو گے بلکہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھاؤ گے اس لیے کہ خدا نے ان مہینوں کو جو محترم ٹھہرایا ہے تو تمہارے ہی مفاد کے لیے ٹھہرایا ہے، اسی طرح اگر تم ان میں کوئی ردو بدل کرو گے تو یہ بھی تم اپنے ہی کو نقصان پہنچاؤ گے اس لیے کہ ان کے اندر خدا نے جو برکتیں رکھی ہیں تم ان سے محروم ہو جاؤ گے۔

مشرکین سے من حیث الجماعت جنگ کا حکم

'وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ' مطلب یہ ہے کہ ان مہینوں کے حدود حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے تم ان مشرکین سے جنگ کرو اور یہ جنگ ان مشرکین سے من حیث الجماعت ہو۔ اس بنیاد پر ان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہ کیا جائے کہ ان میں سے کسی کے ساتھ رشتہ و قرابت یا دوستی کا کوئی تعلق ہے یا خاندان اور قبیلہ کی بنا پر کسی قبیلہ سے ہمدردی ہے یا ان کے کسی گروہ سے کوئی سیاسی یا تجارتی یا معاشی مفاد وابستہ ہے۔ اس قسم کے

---

[1] یہ سوال ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے کہ مسلمان قمری تقویم کے سوا کوئی اور تقویم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں۔ ہماری گزارش کا منشا صرف یہ ہے کہ دینی امور میں صرف یہی تقویم معتبر ہو سکتی ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل جائز نہیں۔

تمام تعلقات و مفادات بالائے طاق رکھ کے تمام مشرکین کے خلاف بلا استثنا اعلان جنگ کرو، اس لیے کہ خود ان کا رویہ تمھارے ساتھ عملاً یہی ہے۔ وہ تمھارے دشمن من حیث الجماعت ہیں۔ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً (وہ کسی مسلمان کے باب میں نہ کسی قرابت کا پاس رکھنے کے لیے تیار ہیں، نہ کسی عہد کا) اسی طرح تم ان کے دشمن من حیث الجماعت ہو اور جس کو پاؤ اس کو قتل کرو۔ البتہ محترم مہینوں کا لحاظ رکھو، ان میں کوئی جنگ پہل کر کے نہ چھیڑو، البتہ دفاعی جنگ، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں تفصیل گزر چکی ہے، ان میں بھی جائز ہے۔ یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے انھی بندوں کے ساتھ ہے جو اس کے حدود و قیود کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہیں۔ یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ عربوں میں خاندانوں اور خاندانوں کے مابین بھی بسا اوقات حلف اور ولا کی بنیاد پر بڑے گہرے تعلقات ہوتے تھے جن کی ذمہ داریوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ یہاں اس عام اعلان برأت کے بعد جو اوپر مذکور ہوا مسلمانوں کو ہدایت ہوئی کہ مشرکین کے خلاف جہادِ عام میں اس قسم کی کسی پابندی کو حائل نہ ہونے دیں بلکہ تمام مشرکین کو بلا استثنا اعلان جنگ دے دیں۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (۳۷)

نسئ کی نوعیت

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا، 'نسا' کے معنی مؤخر کرنے اور پیچھے ہٹانے کے ہیں۔ اسی سے 'نسأ البعیر دفعہ عن الحوض' ہے جس کے معنی ہیں اونٹ کو پانی کے گھاٹ پر پہنچنے سے روک دیا۔ 'نسأ الراعی فی ظمء الابل' چرواہے نے اونٹوں کے پانی پلانے کو چند دن پیچھے ہٹا دیا۔ اسی سے 'نسئ' کا اسم بنا لیا گیا ہے جس سے عرب جاہلیت کی اصطلاح میں وہ مہینہ مراد ہوتا ہے جس کو چند دن پیچھے ہٹا کر اس کے دنوں میں اضافہ کر دیتے تھے۔ شمسی سال قمری سال سے تقریباً گیارہ دن زیادہ ہوتا ہے۔ قمری سال کی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اہل عرب یہ کرتے کہ اس میں کمی کے بقدر اضافہ کر دیتے جس کی عملی شکل یہ تھی کہ ہر آٹھ سالوں میں تین ماہ بڑھائے جاتے گویا ہر دوسرے یا تیسرے سال کے خاتمہ پر ایک ماہ کبیسہ کا ہوتا۔ اس طرح اپنے زعم کے مطابق انھوں نے قمری مہینوں بالخصوص اشہر حرم کا احترام بھی قائم رکھا تھا اور اپنے تجارتی فوائد و مصالح کے نقطۂ نظر سے اس کو شمسی بھی بنا لیا تھا۔ اہل عرب نے تو یہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اس تخیل کے تحت کیا کہ اس طرح اشہر حرم کی تعداد بھی پوری ہو جاتی ہے جو دینداری کا مقتضیٰ ہے اور ان کا کاروباری مفاد بھی محفوظ ہو جاتا ہے لیکن قرآن نے ان کی اس دینداری کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کو ان کے کفر میں ایک اضافہ قرار دیا جو راہ راست اور دین قیم، ملت ابراہیم سے ان کے مزید انحراف کا موجب ہوا۔

يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ

نسئی کے مفاسد

یہ دلیل ارشاد ہوئی کہ کیوں یہ چیز کفر میں ایک اضافہ ہے۔ فرمایا کہ اس وجہ سے کہ اس طرح خدا کے محترم کیے ہوئے مہینوں کی گنتی تو ضرور پوری ہو جاتی ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ اللہ کے محترم قرار دیے ہوئے مہینے شمسی سال کے اس چکر میں آکر کبھی محترم بن جاتے ہیں کبھی غیر محترم۔ درآنحالیکہ اللہ نے جن مہینوں کو محترم قرار دیا محترم وہی ہیں، نہ یہ کسی دوسرے مہینے سے تبدیل ہو سکتے نہ ان کا احترام کسی دوسرے مہینے کی طرف منتقل ہو سکتا۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اس طرح قمری سال کو شمسی سال میں تبدیل کرنے کی جو کارروائی عمل میں آتی اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ موسم حج اور اشہر حرم سب ۳۳ سال کے لیے اپنی جگہ سے ہٹ جاتے۔ ۳۳ سال کی گردش کے بعد پھر یہ اپنی جگہ پر ایک مرتبہ کے لیے واپس آتے۔ تقدیر الٰہی نے یہ انتظام کیا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر، جب سرورِ عالم نے حج ادا فرمایا، اپنی گردش پوری کر کے حج ٹھیک اس تاریخ کو پڑا جو اس کی اصل خدائی اور ابراہیمی تاریخ تھی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا کہ ان الزمان استدار کھیئتہ یوم خلق السموت والارض (زمانہ گردش کر کے اپنی اصلی ہیئت پر آگیا ہے جو ہیئت اس کی اس دن قرار پائی تھی جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) اسی دن سے آپ نے اس خدائی تقویم کے نفاذ کا اعلان فرما دیا اور نسئی کی تقویم ختم کر دی۔ حضورؐ کے الفاظ میں صاف اس آیت کی جھلک ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ

زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ یعنی یہ کفر و اسلام دونوں کا جوڑ ملا کر اشہر حرم کی گنتی پوری کرنے کی جو نمائش کی گئی یہ دین داری نہیں ان کی بدعملی ہے جو ان کی نگاہوں میں کھبا دی گئی ہے جس کو یہ دین سمجھے بیٹھے ہیں۔ اللہ ایسے کافروں کو بامراد نہیں کرے گا اس طرح کی دینداری قیامت میں اکارت ہو کے رہ جائے گی۔

۲۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۳۸-۴۲

اوپر مشرکین اور اہل کتاب کے خلاف اعلانِ جہاد کر دینے کے بعد آگے کلام کا رخ منافقین کی طرف مڑ گیا ہے اور آخر سورہ تک انہی کا تعاقب فرمایا ہے۔ گویا کھلے ہوئے دشمنوں کے بعد اب یہ اسلام اور مسلمانوں کے چھپے ہوئے دشمنوں کی طرف توجہ فرمائی گئی ہے اور پوری تفصیل سے ان کی ایک ایک کمزوری اور ایک ایک شرارت بے نقاب کر کے رکھ دی گئی ہے تاکہ مسلمان ان سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں اور ان کے اٹھائے ہوئے فتنوں میں مبتلا نہ ہوں۔ اس سے پہلے منافقین کے رویہ پر جو تنقید بھی ہوئی اس کا لب و لہجہ نرم رہا ہے لیکن اس سورہ میں جس طرح مشرکین اور اہل کتاب کے

باب میں آخری فیصلہ کا اعلان کر دیا گیا ہے اسی طرح منافقین کے بارے میں بھی ایک قطعی فیصلہ سنا دیا گیا ہے تاکہ ان میں سے جن کے اندر توبہ اور اصلاح کی کوئی صلاحیت باقی ہے، وہ توبہ اور اصلاح کے لیے اسلامی معاشرہ کے صالح جزو بن جائیں اور جو بالکل مردہ ہو چکے ہیں وہ خس و خاشاک کے اس ڈھیر میں شامل ہو جائیں جس کے صاف کر دینے کا آخری فیصلہ قدرت کی طرف سے ہو چکا ہے —— آیات کی تلاوت فرمائیے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ ٱنفِرُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ آیات ۳۸-۴۲
ٱثَّاقَلْتُمْ إِلَى ٱلْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا مِنَ ٱلْـَٔاخِرَةِ ۚ
فَمَا مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فِي ٱلْـَٔاخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا
تَنفِرُواْ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا
تَضُرُّوهُ شَيْـًٔا ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِلَّا تَنصُرُوهُ
فَقَدْ نَصَرَهُ ٱللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ثَانِيَ ٱثْنَيْنِ إِذْ هُمَا
فِي ٱلْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَٰحِبِهِۦ لَا تَحْزَنْ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ
ٱللَّهُ سَكِينَتَهُۥ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُۥ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ
ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱلسُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ ٱللَّهِ هِيَ ٱلْعُلْيَا ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ ٱنفِرُواْ خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَٰهِدُواْ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَ
أَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾
لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّٱتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنۢ بَعُدَتْ ع ۶ ۵ ۱۲
عَلَيْهِمُ ٱلشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ لَوِ ٱسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ
يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَٰذِبُونَ ﴿٤٢﴾

ترجمۂ آیات ۳۸-۴۲

اے ایمان والو، تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو تم زمین پر ڈھے پڑتے ہو۔ کیا تم آخرت کے مقابل میں دنیا کی زندگی پر قانع ہو بیٹھے ہو؟ آخرت کے مقابلے میں یہ دنیا کی زندگی تو نہایت ہی حقیر ہے۔ اگر تم نہ اٹھو گے تو خدا تمھیں دردناک عذاب دے گا اور تمھاری جگہ دوسری قوم لائے گا اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے تو کچھ پروا نہیں۔ اس کی مدد تو اللہ نے اس وقت فرمائی جب کہ کافروں نے اس کو اس حال میں نکالا کہ وہ صرف دو کا دوسرا تھا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ تم غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور اس کی مدد ایسی فوجوں کے ذریعے سے کی جو تمھیں نظر نہیں آئیں۔ اور اس نے کافروں کی بات پست کی اور اللہ ہی کا کلمہ بلند رہا۔ اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ ۳۸-۴۰

اٹھو، معمولی سامان کے ساتھ بھی اور بھاری سامان کے ساتھ بھی، اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اگر لقمہ تر ہوتا اور سفر آسان تو یہ تمھارے پیچھے ضرور لگ جاتے لیکن ان پر یہ منزل کٹھن ہو گئی اور اب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم نکل سکتے تو تمھارے ساتھ ضرور نکلتے۔ یہ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ ۴۱-۴۲

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ
اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (۳۸)
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ

'نفار'، 'نفور'، 'نفیر'، کے معنی جنگ یا اسی نوع کے کسی اور مقصد کے لیے نکلنے اور اٹھنے کے ہیں۔

تَثَاقَلَ اور اِثَّاقَلَ ایک ہی لفظ ہے۔ معنی اس کے کسی شے کو بوجھ محسوس کرنا اور لدھڑ بن جانا ہے۔ اس کے ساتھ اِلَى الْاَرْضِ کے اضافہ نے مضمون کو بالکل مصور کر دیا ہے کہ تمھیں جنگ کے واسطے اُٹھنے کو کہا جاتا ہے اور تم لدھڑ بن کر زمین پر ڈھئے پڑے ہو۔

منافقین سے خطاب

آیت میں خطاب اگرچہ عام ہے لیکن روئے سخن ان منافقین ہی کی طرف ہے جو اپنی تن آسانیوں اور مفاد پرستیوں کے سبب سے، جہاد کی منادیٔ عام کے باوجود اس سے جی چرا رہے تھے۔ فرمایا کہ یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان کے مدعی ہو اور اس کے لیے بدیہی مطالبہ کے معاملے میں تمہارا حال یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بھاری بوجھ نے تمھاری کمریں توڑ کے رکھ دی ہیں اور تمھارے لیے اٹھنا پہاڑ ہو رہا ہے۔

منافقین کی اصل بیماری حبِ دنیا

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ یہ استفہام کے اسلوب میں ان کی اصل بیماری کا پتہ دیا گیا ہے کہ یہ آخرت سے صرف نظر کر کے صرف دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں اور راحتوں پر قانع ہو گئے ہیں۔ یہی دنیا ان کے لیے سب کچھ ہے۔ وہ اس عیشِ نقد کو کسی نسیہ کی خاطر منغص کرنا نہیں چاہتے حالانکہ آخرت میں جب حقیقت کھلے گی تب معلوم ہو گا کیسی حقیر چیز کے لیے کیسی لازوال بادشاہی انھوں نے کھو دی۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

منافقین کو دھمکی

یہ ان منافقین کو دھمکی ہے کہ اگر تم خدا کی راہ میں جہاد کے لیے نہ اٹھے تو خدا کے دردناک عذاب کی پکڑ میں آ جاؤ گے اور یہ نہ خیال کرو کہ اس نہ اٹھنے سے خدا کا کوئی کام بگڑ جائے گا۔ تمھارا اُٹھنا خود تمھارے لیے موجب سعادت دنیا و آخرت ہے۔ ورنہ خدا کا کوئی کام تمھارے اوپر منحصر نہیں ہے۔ وہ اپنے دین کی حمایت و نصرت کے لیے اپنے دوسرے بندے اٹھا کھڑا کرے گا جو تمھاری طرح تن آسان، لیست ہمت اور مفاد پرست نہیں ہوں گے۔ سورۂ محمد میں یہی مضمون اس

طرح بیان ہوا ہے وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (۳۸)

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بیک وقت کئی حقیقتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ایک یہ کہ خدا تمھیں عذاب دینے پر قادر ہے، دوسری یہ کہ تمھاری جگہ دوسروں کو اٹھا کھڑا کرنے پر قادر ہے، تیسری یہ کہ وہ اپنی ہر اسکیم بروئے کار لانے پر قادر ہے، اپنے کسی بھی ارادے کی تکمیل میں وہ کسی کا محتاج نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی

إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۗ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۴۰)

'تَنْصُرُوْهُ' میں ضمیر مفعول، آگے کے قرائن دلیل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نمایندے کی حیثیت سے آپؐ نے لوگوں کو اس جہاد کی دعوت دی تھی۔

پیغمبرؐ کے ساتھ خدا کی مدد

اوپر والی آیت میں منافقین سے جس بے نیازی کا اظہار فرمایا ہے اسی بے نیازی کی یہ دلائل کی روشنی میں مزید وضاحت ہے۔ فرمایا کہ پیغمبرؐ جس اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اٹھے ہیں اگر اس کام میں تم نے ان کا ساتھ نہ دیا تو یہ نہ سمجھو کہ یہ کام رک جائے گا۔ جس خدا نے ہجرت سے لے کر اب تک ہر قدم پر اس کی مدد فرمائی ہے وہ اب بھی اس کی مدد کو موجود ہے۔ یاد کرو کہ ایک دن وہ تھا جب کفار نے اس حال میں اس کو گھر سے نکالا کہ وہ صرف دو کا دوسرا تھا، کوئی تیسرا اس کے ساتھ نہ تھا (یہ اشارہ ہے سفر ہجرت کی طرف جس میں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کے ساتھ تھے اور سارا قریش آپؐ کے خون کا پیاسا تھا لیکن آپؐ سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل آئے اور کوئی آپؐ کا بال بیکا نہ کر سکا) پھر یاد کرو اس وقت کو جب نبیؐ اور صدیقؓ دونوں غار ثور میں پناہ گیر تھے اور دشمن تعاقب میں نقش قدم کی ٹوہ لگاتے ہوئے غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ نبیؐ کے واحد ساتھی کو یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ اب ہم دشمن کے نرغے میں ہیں اور خدانخواستہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے لیے آخری خطرہ سامنے آ گیا ہے لیکن پیغمبرؐ نے اپنے ساتھی کو تسلی دی کہ تم ذرا غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، وہ ہماری حفاظت فرمائے گا چنانچہ اللہ نے اس پر اپنی جانب سے سکینت و طمانیت نازل فرمائی۔ پھر یاد کرو کہ کتنی جنگیں ان کفار کے ساتھ ہو چکی ہیں جن میں خدا کی غیر مرئی فوجیں پیغمبرؐ کی مدد و نصرت کے لیے اس کے ہم رکاب رہی ہیں یہاں تک کہ کفر سرنگوں اور دین کا بول بالا ہو گیا۔ غور کرو کہ کیا یہ پیغمبرؐ جس کی نصرت کے لیے خدا کی یہ شانیں ظاہر ہوئی ہیں وہ تم جیسے لوگوں کی مدد کا محتاج ہو سکتا ہے! اس کا خدا عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ وہ جس کام کو کرنا چاہے کسی کی طاقت نہیں کہ کوئی اس میں مزاحم ہو سکے اور اس کے ہر کام میں ایسی حکمت ہوتی ہے کہ کوئی اس حکمت کو پا نہیں سکتا۔

انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۴۱)

جہاد میں سروسامان کی کمی کوئی عذر نہیں ہے

'خفاف'، 'خفیف' کی اور 'ثقال'، 'ثقیل' کی جمع ہے۔ یہاں 'خفیف' کا لفظ اس شخص کے لیے استعمال ہوا ہے جس کے پاس عسرت کے سبب سے زیادہ سروسامان جنگ اور زادِ سفر نہ ہو۔

'ثقیل'، جس کا حال اس کے برعکس ہو۔ یعنی وہ سروسامان سے بھرپور اور اسلحہ سے لیس ہو۔

مطلب یہ ہے کہ سروسامان کی کمی کو، جیسا کہ آگے آرہا ہے، جہاد سے غیر حاضری کے لیے عذر اور بہانہ نہ بناؤ۔ جو سروسامان بھی میسر آسکے، کم یا زیادہ، اس کو فراہم کر کے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ یہی تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ اس کی سعادتوں اور برکتوں کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں ہے اور بصورت محرومی اس کے خسران کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (۴۲)

غزوۂ تبوک میں منافقین کی کمزوری

'شُقَّۃ'، اس مسافت کو کہتے ہیں جو ایک مسافر طے کرتا ہے۔ 'بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ' کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں کہ ان آیات میں منافقین کی ان کمزوریوں پر ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر ظاہر ہوئیں اس لیے کہ یہی غزوہ ہے جس میں موسم کی ناسازگاری کے ساتھ طول مسافت کی آزمائش سے بھی مجاہدین کو سابقہ پیش آیا۔ یہ غزوہ رجب ۹ھ میں پیش آیا۔ موسم گرم تھا۔ فصل پک کر تیار تھی۔ مسافت طویل تھی پھر مقابلہ بھی ایک منظم اور کثیر التعداد فوج سے تھا اس وجہ سے منافقین کی کمزوری اس موقع پر بالکل ہی بے نقاب ہو گئی۔ انھوں نے بے سروسامانی کا عذر اور دوسرے جھوٹے بہانے تراش کر اس جنگ کے لیے نکلنے سے گریز کیا۔ اگرچہ ان لوگوں کی بہانہ بازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں تھی لیکن آپ نے اپنی کریم النفسی کے سبب سے ان سے اغماض فرمایا۔ آپ نے تو اغماض فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں سے نقاب الٹ دی تاکہ جو اپنی اصلاح کرنا چاہیں وہ اصلاح کر لیں ورنہ کم از کم مسلمان ان کی چھوت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ فرمایا کہ اگر ان کو توقع ہوتی کہ صعوبتِ سفر اور کسی خطرے کے بغیر مالِ غنیمت ہاتھ آجائے گا تو تمھارے ساتھ ہو لیتے لیکن سامنے کٹھن منزل تھی اس وجہ سے ان کی ہمتیں پست ہو گئیں لیکن یہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے کے بجائے ایک ایک کو قسمیں کھا کھا کے اطمینان دلانے کی کوشش کریں گے کہ اس جہاد میں ان کی عدم شرکت کا باعث بزدلی نہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے سامان نہیں کر پائے۔ اگر سامان کر پاتے تو پیچھے رہنے والے نہیں تھے۔ فرمایا کہ 'يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ' ان جھوٹے عذرات سے وہ اپنے آپ کو اپنی دانست میں بچانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن

حقیقت میں وہ اپنے کو بچا نہیں رہے ہیں بلکہ ہلاکت کے گڑھے میں جھونک رہے ہیں اس لیے کہ نفیر عام کی صورت میں جہاد سے فرار کی سزا بڑی ہی سخت ہے۔ بقرہ آیت ۱۹۵ کے تحت ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ خدا کے فرائض سے فرار درحقیقت ہلاکت کی طرف فرار ہے۔

۸۔ آگے کا مضمون ـــــ آیات ۴۲-۶۰

آگے کی آیات میں پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت دلنواز انداز میں آپ کی اس نرمی پر ٹوکا ہے جو آپ بربنائے کریم النفسی منافقین کے تراشیدہ عذرات قبول کر لینے میں ظاہر فرماتے تھے۔ پھر آپ کے سامنے منافق اور مخلص کے درمیان امتیاز کے لیے ایک کسوٹی رکھ دی گئی ہے کہ سچے اور پکے مسلمان کبھی تمہارے سامنے جہاد سے معذرت پیش کرنے کے لیے نہیں آئیں گے۔ معذرت پیش کرنے کے لیے وہی آتے ہیں جن کے دلوں میں نفاق کا چور چھپا ہوا ہوتا ہے اور ان کے اس نفاق کے سبب سے اللہ نے ان کے لیے یہی چاہا ہے کہ وہ اس سعادت سے محروم ہی رہیں۔

پھر مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ منافقین جہاد کے لیے نہیں نکلے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہی ہوا اس لیے کہ اگر یہ نکلتے تو مسلمانوں کے اندر اسی طرح کی فتنہ انگیزیاں کرتے جس کے تجربے پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ یہ بظاہر ہیں تو تمہارے ساتھ لیکن یہ ایجنٹ دوسروں کے ہیں۔

اس کے بعد بعض ایسے منافقین کی طرف اشارہ فرمایا ہے جنھوں نے عذر تراشنے میں کچھ دینداری کی بھی نمائش کی تھی کہ گویا وہ اپنے دین و اخلاق کو فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے اس جنگ میں نہیں جا رہے ہیں۔ ان کی اس جھوٹی دینداری پر برسر موقع گرفت فرمائی اور اچھی طرح ان کی قلعی کھول کر دکھا یا کہ ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کیا بغض بھرا ہوا ہے۔

پھر منافقین کو دھمکی دی کہ تمہارا کوئی انفاق بھی خدا کے ہاں مقبول نہیں اس لیے کہ تم ایمان سے عاری ہو۔ تمہارا انفاق مجبورانہ اور تمہاری نماز ریاکارانہ ہے۔ ساتھ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ ان لوگوں کو ذرا وقعت نہ دو۔ ان لوگوں کا مال دین کے کام آنے والا نہیں۔ یہ ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں موجب وبال بننے والا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر یہ تمہارے ساتھ بندھے ہوئے ہیں تو اس کا سبب یا تو ڈر ہے یا طمع۔ چونکہ ان کے سامنے کوئی راہ فرار باقی نہیں رہی ہے اس وجہ سے یہ تمہارے اندر گھسے ہوئے ہیں۔ ان کی طمع کا حال اس سے ظاہر ہے کہ تم پر الزام لگاتے ہیں کہ تم صدقات کی مد سے ان کو بھر پور نہیں دیتے۔ اس کے ساتھ ہی صدقات کے مصارف کی وضاحت فرما دی تاکہ کوئی شخص صدقات کی حرص میں ناخواندہ مہمان بننے کی کوشش نہ کرے۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ آيات ٤٣-٦٠
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ
اَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ
فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ
عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا
مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا
وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ
لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ
وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ
كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي
الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ اِنْ
تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ
اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ
لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ
بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ
اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ

مُّتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾ قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ
كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ
إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ
كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٥٤﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ
وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٥٥﴾ وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ
لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُونَ
مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾ وَ
مِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن
لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا
آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ
مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿٥٩﴾ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ ع ۱۳
لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَ
فِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً
مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

ترجمۂ آیات ۴۳-۶۰

اللہ نے تمھیں معاف کیا، تم نے ان کو اجازت کیوں دے دی، یہاں تک کہ جو راست باز ہیں وہ بھی تم پر ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو بھی تم جان لیتے۔ جو اللہ اور آخرت پر سچا ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی مال و جان سے جہاد نہ کرنے کی تم سے رخصت

مانگنے نہیں آئیں گے۔ اللہ اپنے متقی بندوں سے خوب باخبر ہے۔ رخصت مانگنے کے لیے تو وہی آتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کے دل شک میں مبتلا ہیں، اور وہ اپنے شک میں ڈانوا ڈول ہیں اور اگر وہ نکلنا چاہتے تو کچھ سامان کرہی لیتے لیکن اللہ نے ان کے اٹھنے کو پسند نہیں کیا تو ان کو بٹھا دیا اور کہہ دیا گیا کہ جاؤ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھو۔ ۴۳-۴۶

اگر یہ لوگ تم میں مل کر نکلتے تو تمھارے لیے خرابی ہی بڑھانے کے باعث بنتے اور تمھارے درمیان ان کی ساری بھاگ دوڑ فتنہ انگیزی کے لیے ہوتی۔ اور تم میں ان کی سننے والے ہیں اور اللہ ظالموں سے خوب باخبر ہے۔ یہ پہلے بھی فتنہ انگیزی کی کوشش کر چکے ہیں اور انھوں نے واقعات کی صورت تمھارے سامنے بدلی یہاں تک کہ ان کے علی الرغم حق آگیا اور اللہ کا حکم ظاہر ہوا۔ ۴۷-۴۸

اور ان میں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے رخصت دے دیجیے اور فتنہ میں مبتلا نہ کیجیے سن لو یہ فتنہ میں گر چکے۔ اور بے شک جہنم کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اگر تمھیں کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو انھیں دکھ ہوتا ہے اور اگر تمھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں خوب ہوا ہم نے پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا تھا اور مگن ہو کر لوٹتے ہیں۔ ان کو بتا دو کہ ہمیں صرف وہی چیز پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ رکھی ہے۔ وہ ہمارا مولیٰ ہے۔ اور اللہ ہی پر اہلِ ایمان کے لیے بھروسہ کرنا زیبا ہے۔ ان سے کہہ دو کہ تم تو بہرحال ہمارے لیے دو بھلائیوں ہی میں سے کسی ایک کے متوقع ہو۔ لیکن ہم تمھارے باب میں اس امر کے متوقع ہیں کہ اللہ یا تو تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیجے گا یا ہمارے

ہاتھوں۔ تو تم بھی متوقع رہو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں شامل ہیں۔ ۴۹۔۵۲

ان سے کہہ دو تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے، تمہارا کوئی انفاق قبول نہیں ہو گا، تم بدعہد لوگ ہو۔ یہ اپنے انفاق کی قبولیت سے صرف اس وجہ سے محروم ہوئے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا کفر کیا اور نماز کے لیے جو آتے ہیں تو مارے باندھے آتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں تو بادل ناخواستہ۔ تو تم ان کے مال و اولاد کو کچھ وقعت نہ دو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ یہ چیزیں ان کے لیے اس دنیا کی زندگی میں موجب عذاب بنیں اور ان کی جانیں حالتِ کفر میں نکلیں۔ ۵۳۔۵۵

اور یہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کے اطمینان دلاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔ بلکہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں۔ اگر یہ کوئی ٹھکانا، کوئی غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ پا جاتے تو رسی تڑا کر ادھر کو بھاگ کھڑے ہوتے۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جو تم پر صدقات کے بارے میں عیب لگاتے ہیں۔ اگر اس میں سے پاتے ہیں تو راضی رہتے ہیں اور اگر نہیں پاتے تو برہم ہو جاتے ہیں اور اگر وہ اس پر قانع رہتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے دیا اور کہتے کہ ہمارے لیے اللہ ہی بس ہے، اللہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا اور اس کا رسول بھی، ہم تو اللہ ہی کے تمنائی ہیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ صدقات تو بس محتاجوں، مسکینوں، عاملینِ صدقات اور تالیفِ قلوب کے سزاواروں کے لیے ہیں اور اس لیے کہ یہ گردنوں کے چھڑانے، تاوان زدوں کے سنبھالنے، اللہ کی راہ اور مسافروں کی امداد میں خرچ کیے جائیں۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۵۶۔۶۰

۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

آنحضرتؐ کی کریم النفسی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (۴۳)

چشم پوشی اور سماحت کریم النفسی کا ایک لازمی مقتضا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تمام اعلیٰ صفاتِ انسانی کے مظہر تھے، اسی طرح آپؐ میں چشم پوشی کی صفت بھی کمال درجہ موجود تھی۔ منافقین آپؐ کی اس کریم النفسی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے۔ فرائض دینی بالخصوص فریضۂ جہاد سے فرار کے لیے وہ مختلف قسم کے جھوٹے عذرات تراشتے اور آپؐ کی خدمت میں پیش کر کے گھر بیٹھ رہنے کی اجازت مانگتے۔ حضورؐ ان کے ان بناوٹی عذرات سے اچھی طرح واقف ہوتے لیکن بربنائے کریم النفسی، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، درگزر فرما جاتے اور ان کو اجازت دے دیتے۔ حضورؐ کی اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر چونکہ ان کو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا ایک موقع مل جاتا جس سے ان کی فریب کاری پختہ ہوتی جا رہی تھی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ فرمایا۔ لیکن متنبہ فرمانے کا انداز بہت دلنواز ہے۔ بات کا آغاز ہی عفو کے اعلان سے فرمایا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ مقصود سرزنش اور عتاب نہیں بلکہ توجہ دلا دینا ہے کہ منافقین تمہاری کریم النفسی سے بہت غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ تم اپنی چشم پوشی کی وجہ سے ان کے عذرات کو لاطائل سمجھنے کے باوجود ان کو اجازت دے دیتے ہو جس سے وہ دلیر ہوتے جاتے ہیں کہ ان کی مکاری کامیاب ہو گئی حالانکہ اگر تم اجازت نہ دیتے تو ان کا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ ان کے جھوٹوں اور سچوں میں امتیاز ہو جاتا۔ تمہاری اجازت کے بغیر جو گھر میں بیٹھ رہتے ہر شخص پہچان جاتا کہ یہ منافق ہیں لیکن وہ تمہاری اجازت کو اپنے چہرے کی نقاب بنا لیتے ہیں۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ (۴۴-۴۵)

باایمان معذورین اور منافقین کے درمیان واضح فرق

یہ ایک نمایاں فرق واضح فرما دیا ہے مخلصین اور منافقین کے درمیان کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر سچا اور پکا ایمان رکھتے ہیں وہ تمہارے پاس جہاد سے رخصت کی درخواستیں لے کر نہیں آتے۔ اللہ اپنے متقی بندوں سے خوب باخبر ہے۔ یہ رخصت کی درخواستیں وہی لوگ لے کر آتے ہیں جن کا اللہ اور آخرت پر سچا ایمان نہیں ہے بلکہ ان کے دلوں سے شک کا روگ چمٹا ہوا ہے جس کے سبب سے وہ زبان سے تو اللہ اور رسول کے ساتھی بنے ہوئے ہیں لیکن ان کے دل ڈانوا ڈول ہیں۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں زیر بحث وہی لوگ ہیں جو خود تو جھوٹے عذرات کی آڑ لے کر اپنے کو معذور

ٹھہراتے ہیں لیکن کسی دوسرے کو اپنے ان عذرات پر مطمئن نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ جہاد کے لیے جو چیزیں عذر بن سکتی ہیں وہ ایسی نہیں ہیں کہ دوسروں سے مخفی رہ سکیں۔ جو لوگ واقعی معذور ہوتے ہیں ان کا عذر بدیہی ہوتا ہے اور ہر شخص ان کو معذور ٹھہراتا ہے چنانچہ اسی سورہ میں آگے ان حقیقی معذورین کی تفصیل بھی بیان فرما دی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى	کمزوروں، مریضوں اور ان لوگوں پر کوئی حرج نہیں
وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ يَجِدُوْنَ مَا	ہے جن کو زاد و راحلہ میسر نہیں ہے جب کہ وہ اللہ
يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ	اور رسول کے خیرخواہ رہیں۔ خوب کاروں پر کوئی الزام
وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ	نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور ان لوگوں
مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ	پر بھی کوئی الزام نہیں ہے جو تمھارے پاس آتے
رَّحِيْمٌ ۙ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا	ہیں کہ تم ان کے لیے کوئی سواری کا انتظام کر دو اور
مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ	تم ان کو جواب دیتے ہو کہ میرے پاس تمھارے
اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪	لیے سواری کا کوئی بندوبست نہیں ہے تو وہ تمھارے
تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ	پاس سے اس حال میں لوٹتے ہیں کہ شدتِ غم سے
الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا	ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوتی ہیں کہ افسوس
يُنْفِقُوْنَ (۹۱ - ۹۲)	ان کے پاس مصارف کا انتظام نہیں۔

میرا ذہن بار بار اس طرف جاتا ہے کہ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ میں ایسے ہی باخلاص معذورین کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ (۴۶)

توفیق باندازۂ ہمت — یعنی ان کے سارے عذرات محض بناوٹی ہیں۔ اگر ان کے اندر جہاد کے لیے اٹھنے کا ارادہ موجود ہوتا تو کچھ نہ کچھ سامان تو یہ کر ہی لیتے، اگر بھرپور نہیں تو معمولی سامان، بقدر ضرورت مہیا کر لینا تو ان کے لیے کچھ دشوار نہ ہوتا لیکن ان کے اندر ارادہ ہی موجود نہیں تھا اور سنت الٰہی ازل سے یہ مقرر ہے کہ جو لوگ نیکی کمانے کے لیے خود اپنے ارادے کو حرکت میں نہیں لائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو توفیق بھی ارزانی نہیں ہو گی۔

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے

انھوں نے اپنے لیے بچوں اور عورتوں، بوڑھوں اور مریضوں کی طرح گھر میں بیٹھے رہنا پسند کیا تو خدا نے بھی ان کو عزم و حوصلہ سے محروم کر دیا۔

'تثبیط' کے معنی کسی کو کسی کام سے روک دینے اور ہٹا دینے کے ہیں۔ یہ توفیق کے باب میں سنت الٰہی کا بیان ہے جس کی وضاحت ہم متعدد مقامات میں کر چکے ہیں 'اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ' میں اسلوب طنز کا ہے کہ جب میدان میں نکلنے کی ہمت سے عاری ہو تو جاؤ گھروں میں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھو۔ آگے کی بعض آیات میں یہ طنز اور بھی تیز ہو گیا ہے۔

توفیق کے باب میں سنت الٰہی

لَوْ خَرَجُوْا فِیْکُمْ مَّا زَادُوْکُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَکُمْ یَبْغُوْنَکُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِیْکُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۔ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰی جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (۴۷-۴۸)

'لَوْ خَرَجُوْا فِیْکُمْ مَّا زَادُوْکُمْ اِلَّا خَبَالًا۔ الآیۃ' 'خبال' کے معنی خرابی اور فساد کے اور ایضاع کے معنی بھاگ دوڑ کرنے کے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ جنگ کے لیے نہیں نکلے تو مصلحت الٰہی یہی تھی کہ یہ نہ نکلیں۔ اگر یہ تمہارے ساتھ ہو کر نکلتے تو تمہارے لیے یہ مفید بننے کے بجائے الٹے مصیبت بنتے، ان کی ساری بھاگ دوڑ تمہارے درمیان کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھانے کی راہ میں ہوتی۔

منافقین کی فتنہ انگیزیاں

'وَفِیْکُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ' یعنی تمہاری اپنی صفوں کے اندر بھی ان منافقین کی باتیں سننے اور ماننے والے موجود ہیں۔ یہ اشارہ ان سادہ لوح مسلمانوں کی طرف ہے جو اگرچہ منافق نہیں تھے لیکن اپنی سادہ لوحی کے سبب سے بسا اوقات ان منافقین کے چکمے میں آ جاتے تھے۔ ان دو لفظوں میں نہایت لطیف طریقے سے ان کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ مسلمان اپنے اندر کے ان لوگوں سے بھی بے خبر نہ رہیں جو فتنہ پردازوں کے فتنوں سے متاثر ہونے کے معاملے میں بڑے حساس اور بڑی آسانی سے آگ پکڑ لینے والے ہیں۔ 'سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ' کی لغوی تحقیق مائدہ کی آیت ۴۱ کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ 'وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ' دھمکی کے موقع میں ہے۔ یعنی اللہ ان ظالموں سے اچھی طرح باخبر ہے۔ ایک دن یہ کیفر کردار کو پہنچیں گے۔

'لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ ... الآیۃ' یہ اس گروہ منافقین کی بعض پچھلی شرارتوں کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کے درمیان فساد برپا کرنے کے لیے کیں۔

منافقین کی پچھلی شرارتوں کی طرف اشارہ

یعنی معاملہ کچھ اور تھا، انھوں نے اپنی ملمع سازی اور فتنہ پردازی سے اس کو کچھ کا کچھ بنا دینے کی کوشش کی۔ قرآن نے صرف اجمالی اشارے پر اکتفا کیا ہے اس لیے کہ یہ باتیں مسلمانوں سے مخفی نہیں تھیں۔ یہی لوگ تھے جنھوں نے جنگ بدر کے موقع پر، جیسا کہ تفصیل گزری، اللہ اور رسول کا منشا واضح ہونے کے باوجود مسلمانوں کو قافلۂ تجارت پر حملہ کرنے کی راہ سجھانے کی کوشش کی، انہی لوگوں نے جنگ احد کے موقع پر پہلے تو شہر میں محصور ہو کر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا پھر جب ان کا مشورہ قبول نہیں ہوا تو عبداللہ بن ابی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر عین موقع پر الگ ہو گیا پھر جنگ کے بعد

اسی کے ہم خیالوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ پروپگنڈا کیا کہ نعوذ باللہ آپؐ قوم کے بدخواہ ہیں کہ خیر خواہوں کے مشورے کے خلاف ایک غلط مقام پر لے جا کر ہمارے بھائیوں کو کٹوا دیا اور شکست کا سبب بنے۔ پھر یہی لوگ تھے جنھوں نے جنگ مریسیع کے موقع پر اپنی فتنہ انگیزی سے ایسی صورت پیدا کر دی کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان تلوار چلتے چلتے رہ گئی۔ اسی سلسلے میں ان کی ایک نہایت سنگین شرارت واقعۂ افک کی شکل میں ظاہر ہوئی جو بات کا بتنگڑ بنانے کی ایک نہایت گھنونی مثال ہے۔ حنین کے موقع پر تقسیم غنیمت کے معاملے میں انھوں نے اپنی بدطینتی سے دلوں میں سخت کدورت پیدا کر دینے کی کوشش کی۔ بغرض جو موقع بھی ان کے ہاتھ آیا اس سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی مفسدانہ سرگرمیوں کے علی الرغم ان کے فتنوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ (۴۹)

نفاق تقویٰ کے بھیس میں

یہ بعض ایسے منافقین کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے جنگ تبوک میں عدم شرکت کے لیے یہ متقیانہ قسم کا بہانہ پیش کیا تھا کہ وہ عورت کے معاملے میں چونکہ بہت بے صبر ہیں اس وجہ سے انھیں اس جنگ کی شرکت سے معاف رکھا جائے مبادا وہ رومی عورتوں کے حسن و جمال سے کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ اگرچہ یہ عذر پیش تو ایک آدھ احمقوں نے ہی کیا ہو گا لیکن یہ عذر کی ایک ایسی قسم تھی جس پر تقویٰ اور دین داری کا ملمع چڑھانے کی کوشش کی گئی تھی اس وجہ سے قرآن نے اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا تاکہ مسلمانوں کو شیطان کے ایک خاص حربے سے آگاہ کر دیا جائے کہ کبھی کبھی وہ تقویٰ کے بھیس میں بھی حملہ آور ہوتا ہے۔ یہ عذر اسی قسم کا عذر ہے جیسا کہ بعض مدعیان تقویٰ نماز باجماعت کی حاضری سے متعلق پیدا کر لیتے ہیں اور اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ مسجدوں کی حاضری سے اس لیے بچتے ہیں کہ اپنے آپ کو ریا کے فتنہ سے محفوظ رکھیں۔

'اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا' نہایت بلیغ فقرہ ہے۔ یعنی تبوک پہنچ کر فتنہ میں مبتلا ہونا تو ابھی دور کی بات تھی، یہ تو گھر بیٹھے ہی فتنہ میں اوندھے منہ گر پڑے۔ اس لیے کہ فرائض دینی سے فرار کے لیے اس قسم کا عذر تراشنا بجائے خود ایک ایسا فتنہ ہے جس کے بعد ان کی خانہ ویرانی کے لیے کسی اور فتنہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ان کی ایمانی و اخلاقی موت کے لیے رومی حسیناؤں کے چہرے سے زیادہ ان کا یہ اپنا ہی چرتر مہلک ہے۔

'وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ' سے ایک بات تو یہ نکلی کہ اس قسم کے سارے بہانہ باز کافر ہیں۔ دوسری بات یہ نکلی کہ یہ خدا سے فرار کے لیے جتنے بہانے چاہیں ڈھونڈ نکالیں لیکن خدا کی جہنم ان کا ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ اس سے نہیں بھاگ سکتے۔

إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ (۵۰)

منافقین کا اصل باطن

یہ ان کے اصل باطن سے پردہ اٹھایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عذرات اور بہانے تو محض اوپر کا پردہ ہیں۔ ان کے دلوں کے اندر تو صرف تمہاری بدخواہی بھری ہوئی ہے جب تمھیں کسی مہم میں کامیابی حاصل ہوتی ہے تو ان کو بڑا دکھ ہوتا ہے اور اگر تمھیں کوئی افتاد پیش آجائے تو بہت خوش ہو کر لوٹتے ہیں کہ خوب ہوا کہ ہم نے اپنا بچاؤ پہلے ہی کر لیا تھا۔ قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا کی تاویل بعض لوگوں نے قَدْ أَخَذْنَا حِذْرَنَا سے کی ہے ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح ہے۔

قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَن يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِندِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُم مُّتَرَبِّصُونَ (۵۱-۵۲)

مومنین کے لیے مصیبت اور راحت دونوں میں خیر ہے

یہ جواب ہے اوپر والی بات کا کہ اگر یہ تمھیں کسی افتاد کے پیش آنے سے خوش ہوتے ہیں تو انھیں بتا دو کہ ہمیں وہی کچھ پیش آئے گا جو خدا نے ہمارے لیے لکھ رکھا ہے، وہ ہمارا مولیٰ ہے اور ہمیں اس پر پورا بھروسہ ہے کہ اس نے جو کچھ ہمارے لیے لکھ رکھا ہے اسی میں ہماری دنیا اور آخرت کی بہبود ہے۔ اگر تم ہمارے لیے کسی مصیبت کے خواہاں ہو تو ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ تمھارے کہنے سے نہیں آئے گی بلکہ ہمارے رب ہی کے چاہنے سے آئے گی اور اسی میں ہمارے لیے بہتری ہوگی۔ اہل ایمان کے لیے مصیبت اور راحت، دکھ اور سکھ، موت اور زندگی دونوں ہی میں خیر ہے۔ ایک سے مومن کو صبر، کمزوریوں کی اصلاح اور توبہ و انابت کی تربیت ملتی ہے، دوسری سے شکر نعمت، ادائے حقوق اور احسان کی ترغیب و تشویق ہوتی ہے۔ مومن اللہ کی راہ میں لڑتا ہے تو غازی ہے مرتا ہے تو شہید ہوتا ہے۔ البتہ تمھارا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ تم نے جو روش اختیار کی ہے اس کی بنا پر ہم تمھارے لیے دو باتوں میں سے کسی ایک کی توقع رکھتے ہیں۔ یا تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیجے گا یا ہمارے ہی ہاتھوں تم کو سزا دلوائے گا اور ان میں سے کسی میں بھی تمھارے لیے خیر نہیں۔ تو تم ہمارے لیے جس چیز کا انتظار کر رہے ہو اس کا انتظار کرو، ہم بھی اب تمھارے لیے دونوں باتوں میں سے کسی ایک کے ظہور کے منتظر ہیں۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ کامل اتمام حجت کے بعد کسی کے باب میں اس طرح کا انتظار تنگ دلی کی دلیل نہیں بلکہ یہ حالات و واقعات کے قدرتی نتیجہ کا انتظار ہے۔ ان شاء اللہ سورۂ نوح کی تفسیر میں اس پر مفصل بحث آئے گی۔

قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا

نفاق کے ساتھ کوئی انفاق بھی قبول نہیں

وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (۵۳-۵۴)

یہ ان منافقین سے اظہارِ نفرت و کراہت ہے۔ فرمایا کہ ان کو سنا دو کہ تمھارا کوئی انفاق بھی، خواہ طوعاً ہو یا کرہاً، خدا کے ہاں قبول نہیں۔ انفاق ان کا قبول ہوتا ہے جو خدا کے وفادار ہوں۔ جو بد عہد اور غدار ہیں اور محض مارے باندھے یا دکھاوے اور نمائش کے لیے خرچ کرتے ہیں ان کے انفاق کی خدا کے ہاں کوئی وقعت نہیں۔ خدا کسی کے مال کا محتاج نہیں کہ جس طرح بھی کوئی اٹھا کر دے دے وہ اس کو قبول کرے۔ وہ صرف انہی کے انفاق قبول کرتا ہے جو سچے ایمان اور پورے جذبۂ اخلاص کے ساتھ اس کے دین کی خدمت کرتے ہیں۔

'وَمَا مَنَعَهُمْ .... الاٰیۃ' یہ وضاحت ہے 'اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ' کی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ و رسول کے منکر ہیں۔ اس لیے کہ اللہ و رسول پر ایمان کے جو تقاضے ہیں ان میں سے یہ کسی تقاضے کو بھی پورا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ اگر نمازوں میں آتے ہیں تو مارے باندھے محض دکھاوے کے لیے آتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اگر نمازوں میں شامل نہ ہوں تو مسلمانوں کے اندر اپنے آپ کو شامل رکھنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، اسی طرح اگر وہ دینی کاموں میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو خدمتِ دین کے لیے نہیں بلکہ بادلِ ناخواستہ محض اس خیال سے کہ مسلمانوں کے اندر شمار کیے جاتے رہیں اور اگر طوعاً بھی خرچ کرتے ہیں تو اس لیے کہ ان کی مالداری اور فیاضی کا مظاہرہ ہو۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ جس طرح نمائش کی نماز محض رائے دوسروں کو دکھانے کے لیے ہوتی ہے اسی طرح نمائش کا انفاق بھی محض دوسروں کو دکھانے ہی کے لیے ہوتا ہے اور خدا کے ہاں اس طرح کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں ہوتا۔ سورۂ نساء آیت ۱۴۲ 'وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى' کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ وہاں ہم نے واضح کیا ہے کہ منافقین کی نماز، نماز نہیں ہوتی تھی بلکہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے ایک قسم کی ایکٹنگ ہوتی تھی تاکہ مسلمان ان کو اپنے اندر شامل سمجھیں۔ ظاہر ہے اس مقصد سے جو نماز پڑھی جائے گی وہ کسالی ہی ہو گی، اس میں نشاطِ خاطر، جوش و جذبہ اور خضوع و خشوع کہاں سے آئے گا!

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (۵۵)

مال و اولاد کی قدر و قیمت ایمان کے ساتھ ہے

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ مال بھی بخشے اور اولاد سے بھی نوازے وہ ملت کے لیے بڑی دولت ہیں اگر ان کو ایمان و اخلاص بھی نصیب ہو جائے۔ ہر بہی خواہ ملت ایسے لوگوں کو قدر و وقعت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اس لیے کہ جان و مال دونوں سے اسلام کی جو خدمت ان کے امکان میں ہوتی ہے، دوسروں کے امکان میں نہیں ہوتی۔ ان منافقین میں بھی ایسے صاحبِ مال و اولاد موجود تھے جو اسلام کی بڑی خدمت اور آخرت میں بڑے مراتب حاصل کر سکتے تھے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے دل سے متمنی تھے کہ یہ ایمان و اخلاص سے بہرہ ور ہوں کہ اپنی ان نعمتوں کا حق ادا کر کے خدا کے ہاں مراتب عالیہ حاصل کریں لیکن سارے جتن کرنے کے بعد بھی جب یہ لوگ پھسڈی ہی ثابت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیا کہ ان بدبختوں کے مال و اولاد کو تم ذرا وقعت نہ دو، یہ ان کے لیے ترقی و عروج کی کمندیں نہیں بلکہ غلامی کے پھندے ہیں۔ یہ ان کی بدولت دنیا میں بھی اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور ان کی موت بھی حالت کفر ہی میں ہو گی۔

مال و اولاد کا پھندا — یہاں دنیا میں ان کے لیے جس عذاب کا حوالہ ہے اس سے مراد وہ عذاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذبین کے لیے مقدر ہو چکا تھا اور جس کی تفصیلات پیچھے گزر چکی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ منافقین بھی وہی روش اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے تو ان کا انجام بھی وہی ہونا تھا جو اس روش کے اختیار کرنے والے دوسرے لوگوں کا بیان ہوا۔ تَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو لوگ دنیا کے مال و اسباب کو اپنے لیے پھندا بنا لیتے ہیں ان کی جانیں گھٹ گھٹ کر نکلتی ہیں اور یہ پھندا اس طرح ان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے کہ اس سے چھوٹ کر ان کے لیے ایمان کی راہ پر آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ میں اس سنت الٰہی کا بیان ہے جس کی وضاحت ایک سے زیادہ مقامات میں ہم کر چکے ہیں۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ‎﴿٥٦﴾‏ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ‎(۵۶-۵۷)

منافقین کی نفسیاتی بیماری — وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ۔ لفظ 'حلف' بالعموم اچھے معنوں میں نہیں آتا۔ ہم دوسرے مقام میں یہ نفسیاتی حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس کردار کی حجت نہیں ہوتی وہ اپنے آپ کو معتبر ثابت کرنے کے لیے اکثر جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے منافقین کے متعلق جگہ جگہ یہ واضح کیا ہے کہ یہ اپنے اخلاقی خلا کو جھوٹی قسموں سے پُر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو مطمئن رکھنے کے لیے ان کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے کہ ہم آپ ہی لوگوں میں سے ہیں۔ ہمارے باب میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن نے فرمایا کہ یہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ محض ڈر کے سبب سے تمہارے ساتھ بندھے ہوئے ہیں! اب ان کے سامنے کوئی راہ فرار باقی نہیں رہی ہے۔ کفار و مشرکین کا حشر یہ دیکھ چکے ہیں، یہود و نصاریٰ کا انجام بھی ان کے سامنے ہے۔ اب جائیں تو کہاں جائیں؟ ملک چھوڑ کر باہر جائیں تو مفادات دامن گیر ہوتے ہیں۔ چار و ناچار تمہارے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ فَرِقَ يَفْرَقُ فَرَقًا کے معنی ڈرنے اور گھبرانے کے ہیں۔ فَرُوقَة بزدل اور ڈرپوک کو کہتے ہیں۔

منافقین کی مجبوری کا — لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً ... الآية۔ یہ اوپر والے مضمون ہی کی مزید وضاحت ہے۔ مطلب یہ ہے

کہ ان کو آج اگر کوئی جائے پناہ، کوئی غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ مل جائے، جہاں اپنے مفادات کے ساتھ یہ اپنے کو محفوظ کر سکیں تو ایک دن بھی یہ تمھارے ساتھ رہنا پسند نہ کریں بلکہ رسی تڑا کر یہ بھاگیں گے۔ جُمُحُ الْفَرَسُ کے معنی ہیں تَغَلَّبَ عَلٰی رَاکِبِہٖ وَذَھَبَ بِہٖ ولا ینثنی (گھوڑا سوار کے قابو سے باہر ہو گیا اور اس کو لے کر بگٹٹ بھاگا) یعنی تم سنبھالتے ہی رہ جاتے لیکن یہ بھاگ کھڑے ہوتے مگر وہ تو خیریت ہے کہ کوئی ٹھکانا ان کو نہیں مل رہا ہے اس وجہ سے خوف اور بزدلی نے ان کو تمھارے ساتھ باندھ رکھا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ (۵۸-۵۹)

غیر مالدار منافقین کا حال

اوپر کی آیات میں مالدار منافقین کا حال بیان ہوا تھا، اب یہ غیر مالدار منافقین کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جس طرح اُن کو خوف نے مسلمانوں کے ساتھ باندھ رکھا ہے اسی طرح ان کو طمع نے باندھ رکھا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر تم (خطاب پیغمبرؐ سے ہے) ان کو صدقات کی مد سے خوب دیتے رہو تو یہ راضی رہتے ہیں اور اگر ذرا کمی کر دو تو روٹھ کر تمھاری عیب چینی شروع کر دیتے ہیں کہ دوسروں کو تو فیاضی سے دیا جا رہا ہے لیکن ان کو ان کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے۔

صحیح مومنانہ روش

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا ...... الآیۃ یہ ان کو صحیح روش یعنی اللہ اور رسول پر اعتماد اور قناعت کی تعلیم دی گئی ہے کہ اہل ایمان کی رغبت مال کی طرف نہیں بلکہ اللہ کی طرف ہونی چاہیے۔ فرمایا کہ جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے خزانۂ جود سے بخشا اور رسولؐ نے جتنا کچھ صدقات میں سے ان کو عطا فرمایا، اگر یہ اس پر قناعت کرتے، اللہ پر پورا بھروسا اور اس سے مزید فضل اور رسول کی طرف سے مزید عنایت کی امید رکھتے، عیب چینی، بدگمانی اور شکوہ و شکایت کے بجائے حسن ظن سے کام لیتے تو یہ چیز ان کے حق میں بہتر ہوتی۔ اس سے ان کے لیے اللہ کے فضل کے مزید دروازے کھلتے اور رسول کی شفقت و عنایت بھی ان کو مزید حاصل ہوتی لیکن ان کی بدبختی پر افسوس ہے کہ انھوں نے یہ مومنانہ اور غیرت مندانہ روش اختیار کرنے کے بجائے رسولؐ کے خلاف پروپیگنڈے کی مہم شروع کر دی ـــــ ہم دوسرے مقام میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ فصیح عربی میں اس قسم کے شرطیہ جملوں میں بالعموم جزا محذوف ہو جایا کرتی ہے جس سے کلام میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اگر موقع شدت کا ہو، اور حسرت، ملامت، زجر، شفقت، عنایت کے پہلو بھی زیادہ نمایاں ہو کر مخاطب کے سامنے آتے ہیں اگر موقع و محل ان کا ہو۔ ترجمہ میں ہم نے اس محذوف کو کھول دیا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ

وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۶۰)

صدقات کے اصل مستحقین

اب یہ صدقات کے مستحقین کی تفصیل بیان فرمادی گئی ہے تاکہ منافقین میں سے جو غیر مستحق محض حرص مال کے سبب سے صدقات میں حصہ بٹانا چاہتے تھے ان پر واضح ہو جائے کہ کون لوگ اس مال میں حق دار ہیں، کون نہیں۔ اس سے یہ لطیف اشارہ نکلتا ہے کہ یہ منافقین جو صدقات سے اپنی خواہش کے مطابق نہ پانے کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی شروع کر دیتے تھے ان کی حیثیت زیادہ تر ناخواندہ مہمانوں کی تھی جو بغیر کسی استحقاق کے اس مال میں شریک بننا چاہتے تھے۔

صدقہ اور زکوٰۃ میں فرق

'صدقات' زکوٰۃ کی نسبت عام ہے۔ اس میں وہ تمام عطایا شامل ہیں جو بہ نیت اجر و ثواب دیے جائیں۔ عام اس سے کہ وہ زکوٰۃ کا مال ہو یا انفاق و تبرع کی نوعیت کا کوئی اور مال۔ چونکہ اسی انفاق سے آدمی کے ایمان کی صداقت اور پختگی واضح ہوتی ہے اس وجہ سے اس کو صدقہ کہتے ہیں جس کی اصل 'صدق' ہے جس کی روح قول و فعل کی کامل مطابقت اور رسوخ و استحکام ہے۔

ان صدقات کے مندرجہ ذیل مستحقین اور مصارف یہاں بتائے گئے ہیں۔

'فقراء' اور 'مساکین' سے مراد

'فُقَرَاءِ اور مَسٰکِیْن' یہ دونوں لفظ اس اعتبار سے تو بالکل مشترک ہیں کہ دونوں کا اطلاق محتاجوں اور ناداروں پر ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں یہ دونوں ایک دوسرے کے محل میں استعمال بھی ہوئے ہیں لیکن ان کے درمیان فی الجملہ فرق بھی ہے۔ 'فقیر' 'غنی' کا مقابل ہے مثلاً اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا ۱۳۵۔ نسآء۔ اس وجہ سے ہر وہ شخص جو غنی نہیں بلکہ محتاج ہے وہ فقیر ہے، عام اس سے کہ وہ سوال کرتا ہے یا اپنی خودداری کی شرم رکھتے ہوئے سوال سے احتراز کرتا ہے۔ چنانچہ بقرہ ۲۷۳ میں ان خوددار محتاجوں کے لیے 'فقراء' ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

'مسکین' کا لفظ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو اپنے فقر و مسکنت یا فقدانِ عزم و حوصلہ کے سبب سے زندگی کی جدوجہد میں حصہ لینے سے عاجز ہو، صرف دوسروں کی امداد ہی اس کا سہارا ہو۔ گویا فقر کے ساتھ اس کے اوپر مسکنت اور بے بسی کا بھی غلبہ ہو۔ اس اعتبار سے یہ لفظ 'فقیر' کے مقابل میں سخت ہے۔

'عاملین' سے مراد

'وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا' سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدقات کی وصولی اور ان کے حساب کتاب پر حکومت کی طرف سے مامور ہوں۔ ان کی تنخواہیں اور ان کے دفاتر کے مصارف بھی اس مد سے ادا ہوں گے۔

'مؤلفۃ القلوب' سے مراد

'وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ' مؤلفۃ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی اسلامی حکومت کے مصالح کے تحت دل داری پیش نظر ہو۔ بسا اوقات حکومت کو بعض ایسے ذی اثر لوگوں سے معاملہ کرنا پڑتا ہے جو حکومت کی پوری رعیت نہیں ہوتے بلکہ ایسی پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ اگر ان کو بزور قابو میں رکھنے

کی کوشش کی جائے تو ڈر ہوتا ہے کہ وہ دشمن سے مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ خاص طور پر سرحدی علاقوں میں اس طرح کے لوگوں سے بڑے خطرے پہنچ سکتے ہیں اگر یہ دشمن بنے رہیں یا دشمن ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس طرح کے لوگوں کو اپنی حمایت میں رکھنا اسلامی حکومت کے مصالح کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کی شکل یہی ہوتی ہے کہ ان کی کچھ مالی سرپرستی کی جاتی رہے تاکہ ان کی ہمدردیاں اسلام کے دشمنوں کی بجائے اسلامی حکومت کے ساتھ رہیں۔ یہ ایک پولیٹیکل مصرف ہے جس پر حکومت اپنی دوسری مدوں سے بھی خرچ کر سکتی ہے اور اگر ضرورت محسوس کرے تو اس پر صدقات کی مد سے بھی خرچ کر سکتی ہے۔ یہ مؤلفۃ القلوب غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں اور نام کے مسلمان بھی۔ اس تالیفِ قلب سے ایک فائدہ یہ بھی متوقع ہوتا ہے کہ یہ غیر مسلم یا نام کے مسلمان مسلمانوں سے وابستہ رہنے کے سبب سے اسلام سے قریب تر ہو جائیں۔

ہمارے فقہاء کا ایک گروہ اس مصرف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یا بالفاظِ دیگر اسلام کے غلبہ کے بعد ساقط قرار دیتا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ بات کچھ زیادہ قوی نہیں ہے۔ یہ مصرف جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، ایک پولیٹیکل مصرف ہے جو حالات کے تابع ہے جس کی ضرورت کبھی پیش آتی ہے کبھی نہیں۔ ایک مضبوط سے مضبوط حکومت بھی بعض اوقات دفعِ شر کے اس طریقے کو اختیار کرتی ہے اس لیے کہ جبر اور طاقت کا ذریعہ اختیار کرنے میں نہایت پیچیدہ بین الاقوامی جھگڑے اٹھ کھڑے ہونے کے اندیشے ہوتے ہیں جن میں بروقت الجھنا حکومت کے مصالح کے خلاف ہوتا ہے۔

'فکِ رقبہ' کی وضاحت

'وَفِی الرِّقَابِ' میں مضاف محذوف ہے یعنی 'فِیْ فَکِّ الرِّقَابِ' غلاموں کو طوقِ غلامی سے نجات دلانا بھی ان مقاصد میں سے ہے جن پر صدقات کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ یہاں حرفِ 'فی' کے استعمال سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ان کی بہبود و ترقی کے ایسے کام بھی صدقات سے کیے جا سکتے ہیں جو ان کی رفاہیت اور حصولِ آزادی میں معین ہوں۔

'غارمین' سے مراد

'وَالْغٰرِمِیْنَ' 'غَرِمَ فِی التِّجَارَۃِ' کے معنی ہوتے ہیں فلاں نے اپنی تجارت میں گھاٹا اٹھایا۔ 'غَرَامَۃ' اور 'غُرْم' تاوان، نقصان اور جرمانہ کو کہتے ہیں۔ 'غارم' اس شخص کو کہیں گے جو اپنے کاروبار میں نقصان یا کسی اور سبب سے ایسے بار اور قرضے کے نیچے آ گیا ہو کہ اس کے لیے تنہا اپنے ذرائع سے اپنے آپ کو سنبھالنا ناممکن ہو رہا ہو۔ ایسے اشخاص کے قرضے اتارنے اور ان کو سہارا دینے پر بھی صدقات کی رقم صرف ہو سکتی ہے تاکہ وہ از سرِ نو سنبھل کر معاشرے کو اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچا سکیں۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اسلامی حکومت میں اکتساب کے تمام ناجائز ذرائع اور اسراف کے تمام حرام راستوں پر قدغن ہوتی ہے۔ اس وجہ سے یہ سوال نہیں پیدا ہوتا کہ 'غارم' کسی خلافِ شریعت طریقے کے اختیار کرنے کے سبب سے 'غارم' ہوا ہے یا اس کو یہ افتاد ناجائز راستے میں پیش آئی ہے۔ کلام کا موقع و محل خود شاہد ہے کہ یہاں غارم سے مراد کوئی مجرم نہیں بلکہ وہ شخص ہے جس نے اپنی جائز

معاشی جدوجہد کی راہ میں ٹھوکر کھائی ہو یا کسی سبب سے تاوان میں پڑ گیا ہو۔

'وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ' یہ ایک جامع اصطلاح ہے جس کے تحت جہاد سے لے کر دعوتِ دین اور تعلیمِ دین کے سارے کام آتے ہیں۔ وقت اور حالات کے لحاظ سے کسی کام کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے گی کسی کو کم لیکن جس کام سے بھی اللہ کے دین کی کوئی خدمت ہو وہ 'فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ' کے حکم میں داخل ہے۔

'ابن السبیل' سے مراد

'وَابْنِ السَّبِیْلِ' اس کا مستقل ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ مسافر، مجرد مسافر ہونے کی بنا پر اس بات کا حق دار ہوتا ہے کہ صدقات سے اس کو فائدہ پہنچایا جائے۔ مسافرت اس کو ایسی حالت میں ڈال دیتی ہے کہ قانونی اور اصطلاحی اعتبار سے فقیر نہ ہونے کے باوجود بھی وہ ایک اجنبی جگہ میں اپنی بعض ضروریات کے لیے ایسا محتاج ہوتا ہے کہ اگر اس کی دست گیری نہ کی جائے تو وہ اپنے ذاتی ذرائع سے غریب الوطنی میں ان کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ اس طرح کے لوگوں کے لیے سرائیں، مسافر خانے، قیام و طعام اور رہنمائی کے مراکز قائم کرنا بھی ان کاموں میں شمار ہے جن پر صدقات سے خرچ کیا جا سکتا ہے، یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ بھی 'فِیْ' کے تحت بیان ہوا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مسافروں کی سہولت اور آسائش کے تمام ضروری کام اس میں شامل ہیں۔

صدقات کے لیے تملیکِ ذاتی ضروری نہیں

ہمارے فقہا کا ایک گروہ 'اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ' کے 'ل' کو تملیکِ ذاتی کے مفہوم کے لیے خاص کرتا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ صدقات و زکوٰۃ کی رقوم فقرا و مساکین کی کسی ایسی اجتماعی بہبود پر صرف نہیں ہو سکتیں جس سے ملکیتِ ذاتی تو کسی کی بھی قائم نہ ہو لیکن اس کا فائدہ بحیثیت مجموعی سب کو پہنچے۔ ہمارے نزدیک یہ رائے کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ اول تو 'ل' کچھ تملیک ہی کے معنی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ یہ متعدد معانی کے لیے آتا ہے اور ان سب معانی کے لیے یہ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے، تملیکِ ذاتی ہی کے معنی کے لیے اس کو خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آخر بہبود، نفع رسانی اور استحقاق کے معانی کے لیے بھی جب اس کا استعمال معروف ہے تو ان معانی میں یہ کیوں نہ لیا جائے؟ پھر آیت میں آپ نے دیکھا کہ بعض چیزیں 'فِیْ' کے تحت بیان ہوئی ہیں اور 'فِیْ' کا متبادر مفہوم تملیک نہیں بلکہ خدمت، مصرف، رعایت اور بہبود ہی ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر بدیہی ہے کہ صرف تملیکِ ذاتی کی صورت میں غربا کو جتنا فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے اس سے کہیں زیادہ نفع ان کو بعض حالات میں اس صورت میں پہنچایا جا سکتا ہے جب کہ ان کی اجتماعی بہبود کے لیے بڑے بڑے کام کیے جائیں پھر تملیکِ ذاتی کے ساتھ اس کو خاص کر کے اس نفع کو محدود کیوں کیا جائے؟ یہاں ہم ان اشارات پر کفایت کرتے ہیں۔ مسئلہ تملیک پر مفصل بحث ہم نے اپنے ایک مستقل مقالے میں کی ہے۔

"فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" اس اسلوب کے فوائد پر دوسرے مقام میں بحث ہو چکی ہے۔ اس میں اس حکم کے مؤکد اور واجب التعمیل ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور مبنی برعلم و حکمت ہونے کی طرف بھی۔

۱۰- آگے کا مضمون ___ آیات ۶۱-۷۲

آگے کی آیات میں پہلے انہی منافقین کی بعض شرارتوں اور ایذا رسانیوں کا ذکر اور ان کو تہدید و وعید ہے۔ پھر منافقین و منافقات اور مومنین و مومنات دونوں کے کردار و صفات کا تقابل کیا ہے تاکہ ایمان و نفاق دونوں واضح ہو کر ہر شخص کے سامنے آجائیں۔ یہ تقابل حقائق کو نمایاں کرنے میں بھی سب سے زیادہ مددگار رہتا ہے اور اس سے مقصد اصلاح کو بھی بڑی مدد ملتی ہے اگر اس سے صحیح فائدہ اٹھایا جائے ___ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۶۱-۷۲ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ
خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ
الثلثة اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ
مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ
ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ
سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ
مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا
نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ
تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ

نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا
مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ع ٨ ١٤
يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ
نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا
فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا
اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ
عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ
اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ
كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ
اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ وقف لازم
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ
اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع

ع ۹ ۱۵

ترجمۂ آیات ۶۱-۷۲

اور انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو بس کان ہی کان ہیں۔ کہہ دو وہ سراپا گوش تمھاری بھلائی کے باب میں ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اہلِ ایمان کی بات باور کرتا ہے اور تم میں سے جو ایمان لائے ان کے لیے رحمت ہے اور جو اللہ کے رسول کو ایذا پہنچا رہے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ تمھارے آگے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تمھیں مطمئن کریں، حالانکہ اگر وہ مومن ہیں تو اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ اس کو راضی کریں۔ کیا انھیں علم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ ۶۱-۶۳

منافقین کو اندیشہ ہے کہ مبادا ان پر کوئی ایسی سورہ اتار دی جائے جو ان کو ان کے دلوں کے بھیدوں سے آگاہ کر دے۔ کہہ دو مذاق اڑا لو، اللہ ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم ڈرتے ہو۔ اور اگر تم ان سے پوچھو گے تو جواب دیں گے کہ ہم تو محض سخن گستری اور جی بہلانے کی باتیں کر رہے تھے۔ ان سے پوچھو کہ کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مسخری کر رہے تھے؟ باتیں نہ بناؤ، تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تمھاری کسی جماعت سے درگزر بھی کر لیں تو دوسری کسی جماعت کو ضرور سزا دیں گے بوجہ اس کے کہ وہ مجرم ہیں۔ ۶۴-۶۶

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی چٹے کے بٹے ہیں۔ یہ برائی کا حکم دیتے

اور بھلائی سے روکتے اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کو بھلا رکھا ہے
تو اللہ نے بھی ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ منافق بڑے ہی بدعہد ہیں۔ منافق مردوں،
منافق عورتوں اور کفار سے اللہ نے جہنم کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ
رہیں گے یہی ان کے لیے کافی ہے اور ان پر اللہ کی لعنت اور ان کے لیے دائمی عذاب
ہے۔ ان لوگوں کی مانند جو تم سے پہلے ہو گزرے۔ وہ قوت و شوکت میں تم سے زیادہ
اور مال و اولاد میں تم سے بڑھ چڑھ کر تھے تو انھوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا
اور تم نے بھی اپنے حصے سے فائدہ اٹھالیا جیسا کہ تمھارے اگلوں نے اپنے حصہ سے
فائدہ اٹھایا اور تم نے بھی اسی طرح بکواس کی جس طرح انھوں نے کی۔ یہی لوگ ہیں جن کے
اعمال دنیا اور آخرت میں ڈھے گئے اور یہی لوگ نامراد ہونے والے ہیں۔ کیا انھیں ان لوگوں
کی سرگزشت نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزرے۔ قوم نوح، عاد، ثمود اور قوم ابراہیم
اصحاب مدین اور الٹی ہوئی بستیوں کی۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے
کر آئے۔ تو اللہ ان کے اوپر ظلم کرنے والا نہیں بنا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے
بنے۔ ۶۷ - ۷۰

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ بھلائی کا حکم دیتے اور
برائی سے روکتے ہیں اور نماز کا اہتمام کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی
اطاعت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے نوازے گا۔ اللہ عزیز و حکیم ہے۔
مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ایسے باغوں کے لیے ہے جن کے نیچے
نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور پاکیزہ مکانوں کے لیے ابد کے باغوں

ہیں اور اللہ کی خوشنودی بھی جو سب سے بڑھ کر ہے۔ بڑی کامیابی یہ ہے۔ ۷۱-۷۲

۱۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۶۱)

اُذُنٌ کا مفہوم

'وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ' اذن' کے معنی کان کے ہیں۔ جب یہ کسی شخص کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا جائے تو اس کے اندر ہجو ملیح کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی بس وہ نرا کان ہی کان ہے، ہر ایک کی بات سن لیتا اور اس کو باور کر لیتا ہے۔ ہم نے اس کو ہجو ملیح اس لیے قرار دیا ہے کہ عموماً یہ الزام بڑے لوگوں پر ان کے حاسدین یا منافقین لگاتے ہیں کہ ہے تو بڑا آدمی، اس میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں لیکن کان کا کچا ہے۔ ہر ایرے غیرے کی بات سن لیتا اور مان لیتا ہے۔ ہجو ملیح کا مضمون اس میں یہاں سے پیدا ہوتا ہے کہ ہر ایک کی بات سن لینا جہاں آدمی کی شرافت اور کریم النفسی کی دلیل سمجھی جاتی ہے وہیں یہ اس کی سادگی، بھولے پن اور بے بصیرتی کی بھی دلیل ہے۔

آنحضرت صلعم کے لیے منافقین کی ہجو

منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ لفظ اس کے اسی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر استعمال کرتے۔ وہ اپنی نجی مجلسوں میں اللہ، اس کے رسول اور آیات الٰہی کا مذاق اڑاتے۔ جب آنحضرتؐ تک کسی ذریعہ سے اس کی خبر پہنچتی اور آپ اس پر کچھ خفگی یا ناراضی کا اظہار فرماتے تو منافقین اپنی صفائی میں لوگوں سے یہ کہتے کہ یہ نیک آدمی ہیں جو بات کوئی شخص کان میں ڈال جاتا ہے اس کو سچ جان لیتے ہیں اور اس کی بنا پر ہم جیسے وفا شعاروں اور اطاعت گزاروں سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ ورنہ بھلا ہماری زبانوں سے اللہ و رسول کی شان میں کوئی توہین کا کلمہ قصداً نکل سکتا ہے؟ از راہ سخن گستری، مذاقاً اور تفریحاً بلا ارادۂ تحقیر کوئی لفظ زبان سے نکل گیا ہو تو اس کی بات اور ہے۔

منافقین کو جواب

'قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ' یہ منافقین کی بات کا جواب دلوایا ہے کہ اگر تم نبیؐ کو سراپا کان سمجھتے ہو تو اس کا وہ پہلو جو تمہارے ذہن میں ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ وہ سراپا گوش تمہاری بھلائی کے باب میں ہے۔ ان کے کان ہر وقت اس تمنا میں کھلے ہوئے ہیں کہ ان میں تمہاری اچھی باتوں، اچھے کاموں، اچھے ارادوں کی خبریں پڑیں اور ان سے وہ مسرور ہوں۔ وہ تمہاری بری خبریں اور بری سرگوشیاں سننے کے لیے کان نہیں لگائے ہوئے ہیں کہ کوئی آئے اور تمہاری کسی بری حرکت کی خبر سنا جائے اور وہ اس کو قیمتی سوغات سمجھ کر اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیں۔ باپ اپنے بیٹوں کے لیے جتنا شفیق ہوتا ہے نبی اس سے کہیں

زیادہ اپنی امت کے لیے شفیق و رحیم ہوتا ہے۔ وہ ان کی خرابیوں کی ٹوہ میں نہیں بلکہ بھلائیوں کی ٹوہ میں رہتا ہے اور ہر آن وہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے کانوں میں کوئی نہ کوئی اچھی ہی بات ان کی بابت پڑے۔ پس اگر تم اس کو سراپا کان سمجھتے ہو تو اس پہلو سے بے شک وہ تمہارے لیے سراپا کان ہی ہے اور یہ چیز تمہارے لیے مبارک ہے نہ کہ کوئی ایسی چیز جس کو تم ہجو اور تحقیر کا موضوع بناؤ۔

نبی کا اعتماد اللہ اور اہل ایمان پر

یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ، یعنی پیغمبر کے متعلق تمہارا یہ گمان بھی بالکل غلط ہے کہ وہ ہر ایرے غیرے کی بات سن لیتے اور اس کو باور کر لیتے ہیں۔ ان کا ایمان اللہ پر ہے اور وہ صرف وہ بات باور کرتے ہیں جو سچے اور پکے اہل ایمان کے ذریعہ سے ان کو پہنچتی ہے۔ اللہ اگر تمہارے باب میں کوئی خبر دے تو اس سے سچی اور پکی خبر اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسی طرح اگر اہل ایمان تمہارے باب میں نبی کو کوئی اطلاع پہنچائیں تو آخر نبی اس کو کیوں نہ باور کرے؟ مطلب یہ کہ تمہارے باب میں نبی کے ذرائع اطلاع نہ تو ہوائی ہیں اور نہ پیغمبر ایسے بھولے بھالے ہیں کہ وہ ہوائی باتوں پر رائے قائم کرتے اور بدگمان ہوتے چلیں۔ وہ خدا کی رہنمائی میں چلتے اور اہل ایمان کی باتوں پر کان دھرتے ہیں۔ یہ بات ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ ایمان کا صلہ جب 'ل' کے ساتھ آئے تو وہ صرف کسی کی بات کو ماننے اور باور کرنے کے مفہوم میں ہوتا ہے۔

نبی سراپا رحمت

وَرَحْمَۃٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ، یعنی تم میں سے جو لوگ صحیح ایمان کی روش اختیار کریں، پیغمبر ان کے لیے سراپا شفقت و رحمت ہیں۔ وہ تمہارے بدخواہ نہیں ہیں کہ وہ اپنے کان تمہارے بدخواہوں کے لیے کھول دیں۔ وہ تمہاری اصلاح اور فلاح چاہتے ہیں اور تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی کامرانی اس بات میں ہے کہ تم صحیح ایمان کی روش اختیار کر کے پیغمبر کی رحمت و شفقت کے سزاوار بنو۔ فعل 'اٰمنوا' یہاں اپنے حقیقی اور کامل معنوں میں ہے یعنی ان لوگوں کے لیے جو محض زبانی مدعی ایمان ہونے کے بجائے سچے اور پکے مومن بن جائیں۔ رہے وہ لوگ جو محض زبانی جمع خرچ کے اعتماد پر مومن بنے رہنا چاہتے ہیں اور اپنی باتوں اور حرکتوں سے پیغمبر کو دکھ پہنچا رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ (۶۲)

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

خطاب مسلمانوں سے ہے کہ منافقین اپنے ایمان کے بارے میں تم کو اطمینان دلانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ ان کے اندر اگر ایمان ہوتا تو تمہارے اطمینان سے زیادہ ان کو اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے کی فکر ہوتی۔ یہ بڑی ہی برمحل گرفت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حرکت جو یہ اپنے ایمان کو معتبر ثابت کرنے کے لیے کر رہے ہیں بجائے خود ان کی بے ایمانی کی ایک واضح دلیل ہے۔ یہ اسی طرح کی گرفت ہے جس کی نہایت بلیغ مثال اَلَا فِی الْفِتْنَۃِ سَقَطُوْا میں گزر چکی ہے۔ بسا اوقات

آدمی کا عذر گناہ بدتر از گناہ بن جاتا ہے۔ منافقین نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے جو روش اختیار کی وہ ان کو اور زیادہ مجرم ثابت کرنے والی بن گئی۔ وہ راست باز ہوتے تو اللہ اور رسول کو راضی کرنے کی کوشش کرتے نہ کہ جھوٹی قسموں کے ذریعہ سے مسلمانوں کے سامنے اپنے کو معصوم اور پیغمبر کو کان کا کچا ثابت کرنے میں لگ جاتے۔ یہ تو پیغمبر کے خلاف پروپیگنڈے کی نہایت عیارانہ مہم ہوئی۔

یہاں 'یُرْضُوْهُ' میں واحد کی ضمیر بھی قابلِ لحاظ ہے۔ چونکہ اللہ اور رسول کی رضا ایک ہی ہے اس وجہ سے ضمیر واحد آئی ہے۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ (۶۳)

'محادۃ' کے معنی کسی کے مقابل میں دشمن بن کر اٹھنے کے ہیں۔ 'فَاَنَّ' کا عطف 'اَنَّهٗ' پر ہے

منافقین کو عذاب کی دھمکی

یہ منافقین کے مذکورہ بالا پروپیگنڈے پر ان کو دھمکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے جرم پر اللہ سے معافی مانگنے اور رسول کو راضی کرنے کی جگہ انھوں نے جھوٹی قسموں کے بل پر مسلمانوں کے اندر اپنی ... کی جو مہم چلا رکھی ہے اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے خلاف جو پارٹی انھوں نے بنائی ہے اس کو مزید مستحکم کریں تاکہ اپنا کام زیادہ مؤثر طریقے پر کر سکیں۔ کیا اتنی طویل تذکیر و تبلیغ کے بعد بھی ان پر یہ حقیقت واضح نہ ہو سکی کہ جو لوگ اللہ اور رسول کے حریف بن کر کھڑے ہوتے ہیں ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ 'ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ' میں لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ آج کی رسوائی سے اپنے کو بچانے کے لیے جو کھیل یہ کھیل رہے ہیں بالفرض یہ اس میں کامیاب بھی ہو جائیں تو آخر اس سب سے بڑی رسوائی سے اپنے کو بچانے کی کیا تدبیر کریں گے۔

یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ (۶۴)

'حَذِرَ یَحْذَرُ' کے معنی خائف اور چوکنے ہونے کے ہیں۔ 'تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ'، 'تُقْرَءَ عَلَیْهِمْ' کے مفہوم میں ہے یعنی انھیں پڑھ کر سنا دی جائے۔

منافقین کو پردہ دری کا اندیشہ

منافقین نے مسلمانوں کے سامنے صفائی پیش کرنے کی جو مہم شروع کی تھی یہ اس کا پس منظر سامنے لایا جا رہا ہے کہ اب تک تو ان کے رویہ پر جو تنقید ہوئی تھی وہ اشارات کے انداز میں تھی کہ ان کا زیادہ فضیحتا نہ ہو اور یہ اصلاح کرنا چاہیں تو اصلاح کر لیں لیکن اس سورہ میں ان کو لب و لہجہ بدلا ہوا جو نظر آیا ہے اور ان کی نجی کی مجلسوں کے بعض اسرار جو زیر بحث آئے ہیں تو وہ گھبرا اٹھے ہیں کہ مبادا کوئی ایسی سورہ نازل ہو جائے جو ان کے سارے اسرار درون پردہ بے نقاب کر کے رکھ دے۔ چنانچہ

اسی اندیشے کے پیشِ نظر جھوٹی قسموں کے سہارے انھوں نے یہ اپنی صفائی کی مہم چلائی ہے۔ فرمایا کہ ان کو خبردار کر دو کہ اب تمھاری یہ پیش بندی کچھ کارگر ہونے والی نہیں۔ اللہ و رسول اور اللہ کی آیات کا جتنا مذاق اڑانا ہے اڑا لو۔ اب وقت آگیا ہے کہ جن چیزوں کے بے نقاب ہونے سے تم ڈر رہے ہو اللہ ان سب کو بے نقاب کر کے رہے گا۔ یہ امر واضح رہے کہ یہ سورہ جس طرح مشرکین اور اہل کتاب کے باب میں خاتمۂ بحث کی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح منافقین کے باب میں بھی یہ فیصلہ کن سورہ ہے۔ اس میں، جیسا کہ آگے کے مباحث سے واضح ہو جائے گا، ان کو پوری طرح ننگا کر دیا گیا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ (۶۵)

'خوض' کا مفہوم

'خوض' کے اصل معنی تو دریا وغیرہ میں گھسنے کے ہیں لیکن بات کے تعلق سے یہ آئے تو اس کا مفہوم بال کی کھال ادھیڑنا بھی ہو سکتا ہے اور ایک بات سے دوسری اور دوسری سے تیسری بات نکالتے ہوئے کہیں سے کہیں جا نکلنا بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے ترجمہ میں سخن گستری کا لفظ اختیار کیا ہے۔

ایک اور عذرِ گناہ بدتر از گناہ

یہ منافقین کے ایک اور عذرِ گناہ بدتر از گناہ کی مثال پیش کی گئی ہے کہ اگر تم ان سے اس استہزا کی بابت دریافت کرو گے جو وہ اپنی مجالس میں اللہ اور رسول کا کرتے ہیں تو جھٹ جواب دیں گے معاذ اللہ استہزا! ہم تو بس کچھ ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے! قرآن نے ان کو یہیں سے دھر لیا کہ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ کیا اب تمھاری ہنسی دل لگی اور مشقِ سخن گستری کے لیے اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی رہ گئے ہیں، بازی بازی با ریش بابا ہم بازی!

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ (۶۶)

آیاتِ الٰہی کا استہزاء کفر ہے

یعنی باتیں نہ بناؤ۔ تمھارا یہ عذر گناہ تمھارے گناہ سے بھی بدتر ہے۔ اگر کوئی گروہ اللہ اور اس کی آیات کو ہنسی دل لگی کا کھلونا بنا لے تو اس کے مجرم ہونے کے لیے اور کیا چاہیے؟ یہ تو صریحاً ایمان کے اظہار کے بعد کفر کا اعلان ہے۔ تم نے ایمان کا دعویٰ کیا تھا تو اس کا حق تو یہ تھا کہ اپنے عمل سے اس کا ثبوت فراہم کرتے لیکن عمل سے تم نے ثبوت فراہم کیا ہے کفر کا اس لیے کہ اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کا استہزا کفر ہے۔ انعام آیت ، ، کے تحت اس مسئلہ پر گفتگو ہو چکی ہے۔

منافقین کی بعض خطرناک ٹولیاں

'إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ ..... الآیۃ' اوپر کی آیات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ منافقین کی بہت سی ٹولیاں تھیں جن کے نفاق کی نوعیتیں اور ان کے شر و فساد کے درجے مختلف تھے۔ ان کی بعض ٹولیاں جیسا کہ آگے اسی سورہ میں واضح ہوگا، نہایت خطرناک تھیں۔ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان

پہنچانے کے لیے ایسی ایسی چالیں چلیں کہ ان میں سے ایک چال بھی اگر کامیاب ہو جاتی تو کھلے معاندین کی تمام چالوں پر بھاری ہوتی۔ ایسی ہی بعض ٹولیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر ہم نے تمہاری بعض ٹولیوں سے اس دنیا میں درگزر بھی کر لیا اور ان کے معاملے کو آخرت ہی پر اٹھا رکھا تو بعض ٹولیاں تو لازماً اسی دنیا میں ہمارے عذاب کی زد میں آئیں گی اور ہم ان کے جرائم کی پاداش میں ان کی بیخ کنی کر کے رہیں گے۔ چنانچہ آگے اسی سورہ میں مسجد ضرار کے بانیوں اور بعض دوسرے گروہوں کا ذکر آئے گا۔ اور ان کا جو حشر ہوا وہ بھی بیان ہوگا۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۶۷-۷۰)

اسلامی معاشرہ کی تطہیر منافقین سے

اب تک منافقین اپنے دعوائے ایمان کے سبب سے مسلمانوں کے ساتھ رلے ملے ہوئے تھے۔ یہ پہلی بار ان کی علامتیں بتا کر ان کو اہل ایمان سے چھانٹ کر الگ اور دنیا اور آخرت دونوں ہی اعتبار سے ان کو مسلمانوں کے بجائے کفار و مشرکین کا شریک و سہیم قرار دیا گیا ہے۔ یہ منافقین کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کے اندر گھسائے رکھنے کی کوشش نہ کریں۔ اور مسلمانوں کو بھی آگاہی ہے کہ وہ اس رنگ کی بھیڑوں کو اپنے گلے میں شامل نہ ہونے دیں۔ یہ گویا اسلامی معاشرہ کی غیر مطلوب عناصر سے تطہیر کی راہ میں پہلا قدم ہے اور یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس طرح مسلمانوں نے کفار و مشرکین اور اہل کتاب سے اعلانِ براءت کر دیا ہے اسی طرح اپنے اندر کے ان نام نہاد مسلمانوں کو بھی چھانٹ کر الگ کریں جو اپنے اعمال و اخلاق میں انہی کفار و مشرکین کے ہم رنگ ہیں۔

منافقین اور منافقات دونوں کا ایک ہی انجام

'اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ' یہاں منافقین کے ساتھ منافقات کا بھی ذکر تصریح کے ساتھ فرمایا ہے اور دونوں کو برابر کا شریک جرم قرار دیا ہے تاکہ ان کو بھی تنبیہ ہو کہ جو انجام ان کے مردوں کا ہونے والا ہے وہ بھی اس سے بچنے والی نہیں ہیں اگر انھوں نے اپنے کو خدا کے غضب سے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ دین کے معاملے میں تبعیت اور ماتحتی کوئی عذر نہیں ہے بلکہ اپنی نجات کے لیے جد و جہد ہر نفس کی، مرد ہو یا عورت، خود اپنی ذمہ داری ہے۔ اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے

کہ اس نفاق کے کھیل میں عورتوں کا بھی نمایاں حصہ تھا خاص طور پر اس پہلو سے کہ جان اور مال کی محبت نفاق کے اولین اسباب میں سے ہے اور اس محبت کو مردوں پر مستولی کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ عورتوں کا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بیوی بچے آدمی کو بخیل اور بزدل بنا چھوڑتے ہیں۔ اوپر جن منافقین کا ذکر گزرا ہے ان کی اصل بیماری یہی بتائی گئی ہے کہ مال و اولاد کی محبت دین کے تقاضوں کے مقابل میں ان پر غالب آگئی ہے۔

منافقین کی ہر بات دین کے برعکس

یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ لیعنی ان کی ہر بات دین کے برعکس ہے۔ جن چیزوں کے لیے لوگوں کو ابھارنا چاہیے ان سے یہ لوگوں کو روکتے ہیں اور جن چیزوں سے روکنا چاہیے ان کے لیے لوگوں کو ورغلاتے ہیں۔ بخل کے سبب سے خود اپنی مٹھیاں بھی بھینچے رہتے ہیں اور اللہ کے جو بندے اپنی گاڑھی کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان پر بھی فقرے اور پھبتیاں چست کر کے ان کی دل شکنی کرتے ہیں۔

منافقین کی بے توفیقی کا اصلی سبب

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ یہ ان کی اس بے توفیقی اور محرومی کا سبب بیان ہوا ہے کہ یہ الٹی چال یہ اس لیے چل رہے ہیں کہ یہ خدا کو بھلا بیٹھے ہیں اور سنت الٰہی، جیسا کہ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ.... الآیۃ والی آیت میں بیان ہوئی ہے، یہ ہے کہ جو لوگ خدا کو بھلا بیٹھتے ہیں ان پر ایک شیطان مسلط ہو جاتا ہے جو ان کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں کو خدا بھی بھلا دیتا ہے۔ "بھلا دیتا ہے" یعنی ان کو نظر انداز اور توفیق خیر سے محروم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رہنمائی انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اس کو یاد رکھتے ہیں۔

اصلی غدار

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ فاسق یہاں بدعہد اور نافرمان کے مفہوم میں ہے۔ یعنی ان منافقوں کو ان کے اظہار اسلام کی بنا پر کوئی یہ نہ خیال کرے کہ ہیں تو بہر حال یہ اسلام کے نام لیوا۔ یہ اسلام کے نام لیوا نہیں بلکہ اصلی عہد شکن اور غدار یہی ہیں۔ انھوں نے سمع و طاعت کا عہد کر کے اس کو توڑا ہے اور اسلام کا کلمہ پڑھ کر اس کی بیخ کنی کی کوشش کی ہے۔ اس وجہ سے بدعہدی اور غداری میں جو درجہ ان کا ہے کسی کا بھی نہیں۔

غداروں کا انجام

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔ یہ ان کا آخرت میں انجام بیان ہوا ہے کہ یہ اسلام کے مدعی ہونے کے سبب سے کسی رعایت کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ جس طرح کھلے ہوئے کفار جہنم میں ہمیشہ کے لیے جھونک دیے جائیں گے اسی طرح اسلام کے یہ غدار جہنم میں ہمیشہ کے لیے جھونک دیے جائیں گے۔ هِيَ حَسْبُهُمْ لیعنی یہ جہنم ہی ان کا کچومر نکال دینے کے لیے کافی ہوگی۔ مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ لیعنی اللہ کی طرف سے ان پر لعنت ہو جائے گی جس کے نتیجے میں

امید کے سارے دروازے ان پر بند ہو جائیں گے۔ ایک دائمی عذاب ان پر مسلط ہو گا جس سے کبھی بھی ان کو رہائی نصیب نہیں ہو گی۔

'کَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ' یہ دھمکی ہے جو منافقین کو براہِ راست مخاطب کر کے دی گئی ہے جس سے اس میں زیادہ شدت پیدا ہوئی ہے فرمایا کہ مال و اولاد کی کثرت جو تمھارے حصہ میں آئی ہے اس سے یہ غرّہ نہ ہو کہ خدا کی نظروں میں تمھارا رویہ مبغوض نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس نے تم کو یہ کچھ دے رکھا ہے۔ تم سے پہلے جو قومیں گزری ہیں ان کو تم سے بھی زیادہ اللہ نے دے رکھا تھا۔ لیکن کیا ہوا؟ ان کے لیے اس دنیا سے جتنا فائدہ اٹھانا مقدر تھا جب انھوں نے اتنا فائدہ اس سے اٹھا لیا تو خدا نے ان کو ہلاک کر دیا۔ انہی کی طرح تم نے بھی اپنے حصہ سے فائدہ اٹھا لیا اور انہی کی طرح کی موشگافیاں اور لا ابالیاں بھی کر چکے تو تمھاری تباہی کی ساعت بھی آئی کھڑی ہے۔ جس طرح ان کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ڈھے گئے اور وہ نامراد ہوئے اسی طرح تمھارے اعمال بھی دنیا اور آخرت میں ڈھے جائیں گے اور تم بھی نامراد ہو گے۔ مطلب یہ کہ مال و اولاد کو نہیں، اپنے اعمال کو دیکھو۔ مال و اولاد تو خدا شریروں اور بدبختوں کو بھی دے دیتا ہے۔ اس کے فیصلے اعمال و کردار پر صادر ہوتے ہیں۔

منافقین کو براہِ راست دھمکی

'اَلَمْ یَاْتِہِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ ..... الایۃ' یہ اوپر والی آیت کے اجمال کی تفصیل ہے۔ جن قوموں کی طرف اشارہ فرمایا تھا ان کا حوالہ دے دیا۔ ان تمام اقوام کی سرگزشتیں سورۂ اعراف میں بیان ہو چکی ہیں۔ قوم ابراہیمؑ سے مراد ان کی وہ قوم ہے جس کو انھوں نے توحید کی دعوت دی، پھر ان سے مایوس ہو کر اللہ کے حکم سے انھوں نے ہجرت فرمائی۔ 'مُؤْتَفِکٰت' سے مراد قوم لوط کی بستیاں ہیں۔ اس لفظ سے ان بستیوں کی تعبیر کی وجہ دوسرے مقام میں واضح ہو چکی ہے۔ فرمایا کہ یہ قومیں جو تباہ ہوئیں تو اس وجہ سے نہیں کہ اللہ نے ان پر کوئی ظلم کیا بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ اللہ نے ان پر حجت تمام کرنے کے لیے اپنے رسول بھیجے لیکن انھوں نے ان کو جھٹلایا اور اپنی سرکشی پر اڑی رہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے ان کو تباہ کر دیا۔ مطلب یہ کہ اس سرگزشت کا اعادہ تمھارے ذریعے سے ہونے والا ہے۔

اقوامِ ماضیہ کے انجام کا حوالہ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (۷۱-۷۲)

مومنین اور مومنات کا کردار

منافقین اور منافقات کا کردار واضح کرنے کے بعد اب یہ مومنین اور مومنات کا کردار واضح کیا جا رہا ہے۔ ان کی بابت فرمایا تھا کہ ان کے مرد اور عورتیں سب ایک ہی چٹے کے بٹے ہیں، نفاق کی پرورش میں دونوں کی سرگرمیاں یکساں ہیں۔ ان کی بابت فرمایا کہ یہ ایمان کے مقتضیات و مطالبات کی تعمیل و تکمیل میں ایک دوسرے کے ساتھی، دست و بازو اور ہمدرد و غم گسار ہیں۔ مومن بندے جب اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو مومنہ بندیاں ان کے پاؤں کی زنجیر اور گلے کا پھندا بننے کی کوشش نہیں کرتیں بلکہ سچے دل سے ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں اور اپنے ایثار، اپنی دعاؤں اور اپنی بے لوث وفاداری اور امانت داری سے ان کے جہاد میں تعاون کرتی ہیں اور اس طرح خود بھی اجر و ثواب میں شریک بنتی ہیں۔

منافقین اور منافقات کا حال یہ ہے کہ منکر کا حکم دیتے اور معروف سے روکتے ہیں، برعکس ان کے مومنین اور مومنات معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہیں۔

منافقین اور منافقات انفاق سے اپنے ہاتھ روکے ہوئے ہیں اور اللہ کو انھوں نے بھلا رکھا ہے لیکن مومنین اور مومنات کا حال یہ ہے کہ 'یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ' وہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں جو ذکر الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے 'وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو آدمی کے ہاتھ کو راہ خدا میں انفاق کے لیے کھولتی اور اس کے بخل کو دور کرتی ہے۔

منافقین اور منافقات کا حال یہ ہے کہ وہ بدعہد اور غدار ہیں 'اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ' برعکس اس کے مومنین اور مومنات کا حال یہ ہے کہ 'یُطِیْعُوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ' اللہ اور رسول سے سمع و طاعت کا جو عہد انھوں نے باندھا ہے ہر مرحلہ میں پوری راستبازی اور کامل وفاداری سے اس کو نباہ رہے ہیں۔

'سَیَرْحَمُھُمُ اللہُ اِنَّ اللہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ' ظاہر ہے کہ جب اللہ کے ساتھ دونوں کا معاملہ الگ الگ ہے تو اللہ کا معاملہ بھی دونوں کے ساتھ مختلف ہے۔ منافقین اور منافقات کے لیے اوپر لعنت مذکور ہوئی ہے، اس کے مقابل میں مومنین اور مومنات کے لیے اللہ کی رحمت ہے۔ خدا عزیز اور حکیم ہے۔ اس کی قدرت اور حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا ہر معاملہ عدل اور رحمت پر مبنی ہو۔ حرف 'س' اس رحمت کے ظہور کی قربت کی بشارت ہے کہ اب اس میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ ظاہر ہی ہوا چاہتی ہے۔

مومنین اور مومنات کے لیے اللہ کا وعدہ

'وَعَدَ اللہُ الْمُؤْمِنِیْنَ ... الایۃ' یہ آیت اوپر کی آیت ۶۸ کے مقابل میں ہے، اس میں وعید منافقین اور منافقات کے لیے مذکور ہوئی۔ اس میں اللہ کا وعدہ مومنین اور مومنات کے لیے بیان ہوا ہے۔ لفظ 'رضوان' اور لفظ 'عدن' پر دوسرے مقام میں بحث گزر چکی ہے۔ یہاں یہ اس لعنت کے مقابل میں ہے جو اوپر منافقین کے لیے مذکور ہے۔ جس طرح لعنت تمام نقمتوں اور ابدی محرومیوں کی ایک جامع

تعبیر ہے، اسی طرح 'رضوان' تمام رحمتوں اور لازوال و بے پایاں نعمتوں اور مسرتوں کی ایک جامع تعبیر ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ بہت بڑی چیز اور بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس آیت کو پڑھتے ہوئے اوپر 'اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ' کے ٹکڑے کو پیش نظر رکھیے۔ تقابل نظم کے کھولنے اور حقائق کی توضیح میں بہت معین ہوتا ہے۔

۱۲۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۷۳-۸۰

آگے کی آیات میں پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ یہ منافقین تمہاری نرمی اور کریم النفسی سے فائدہ اٹھا کر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ اب ان کے بارے میں اپنا رویہ سخت کرو تاکہ درست ہونا ہو تو یہ درست ہوں ورنہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔ یہ اپنی مجلسوں میں کفریہ کلمات بکتے اور جھوٹی قسموں سے تم کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے ارادے نہایت خطرناک تھے لیکن اللہ نے وہ پورے نہیں ہونے دئے۔ اب ان کو مزید مہلت دینے کی گنجائش نہیں۔ اللہ اور رسول نے ان کو اپنے فضل سے جو نوازا تو یہ چیز ان کے لیے شکر گزاری اور ممنونیت کی بجائے شرارت اور اسلام دشمنی کا باعث بن گئی۔ یہ اظہار تو یہ کرتے تھے کہ اللہ نے انھیں مال دیا تو وہ پوری فیاضی سے خدا کی راہ میں خرچ کریں گے لیکن جب اللہ نے انھیں مال دیا تو انھوں نے اللہ اور رسول سے منہ پھیرا اور ان کے اس رویہ نے ان کے دلوں میں نفاق کی جڑیں اتنی مضبوط جما دی ہیں کہ اب وہ اکھڑ نہیں سکتیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہی نہیں کہ یہ خود بخیل بن بیٹھے ہیں بلکہ اللہ کے جو مخلص بندے اپنی گاڑھی کمائی میں سے، خوش دلی اور نیازمندی سے خرچ کرتے ہیں یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے اور ان کی دل شکنی کرتے ہیں تاکہ وہ بھی خرچ کرنے سے رک جائیں۔ ساتھ ہی نہایت شدت کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کرنے سے روک دیا ہے کہ آپ یہ تمہاری طرف سے اس رأفت و رحمت کے سزاوار نہیں رہے بلکہ ہر پہلو سے شدت ہی کے سزاوار ہیں ——— آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۷۳-۸۰
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٣﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ
قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا
لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ

فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ
اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ
مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ
فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ
مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاَعْقَبَهُمْ
نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا
وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ
الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ
اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾ ع ١٠ ٨ ١٦

ترجمۂ آیات ٧٣-٨٠

اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سخت بن جاؤ۔ اور ان کا ٹھکانا
جہنم ہے اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانا ہے۔ یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے
نہیں کہا حالانکہ انھوں نے کفر کا کلمہ کہا اور اپنے اسلام کے اظہار کے بعد کفر کا ارتکاب
کیا اور انھوں نے وہ چاہا جو وہ نہ پا سکے۔ ان کا یہ عناد صلہ ہے صرف اس بات کا
کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کیا۔ اگر یہ توبہ کریں تو ان کے

لیے بہتر ہے اور اگر یہ اعراض کریں گے تو خدا ان کو دردناک عذاب دے گا دنیا میں
بھی اور آخرت میں بھی۔ اور زمین میں نہ کوئی ان کا یار ہو گا نہ مددگار۔ ۷۳۔ ۷۴

اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے نوازا تو ہم خوب صدقہ کریں گے اور خوب نیکیاں کرنے والوں میں سے ہوں گے تو اللہ نے جب ان کو اپنے فضل میں سے عطا فرمایا تو وہ اس میں بخیل بن بیٹھے اور برگشتہ ہو کر منہ پھیر لیا۔ تو اس کی پاداش میں خدا نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق جما دیا جس دن وہ اس سے ملیں گے بوجہ اس کے کہ انھوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی اور بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔ کیا انھیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ان کے راز اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے اور اللہ تمام غیب کو جاننے والا ہے۔ ان لوگوں کی سرگوشیوں کو جو خوش دلی سے انفاق کرنے والے اہل ایمان پر ان کے صدقات کے باب میں نکتہ چینی کرتے ہیں اور جو غریب صرف اپنی محنت مزدوری ہی سے انفاق کرتے ہیں تو ان پر پھبتیاں چست کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کا مذاق اڑایا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ان کے لیے مغفرت چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت چاہو گے تو بھی اللہ ان کو بخشنے والا نہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ بد عہدوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ ۷۵۔ ۸۰

۱۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۷۳)

منافقین سے شدید احتساب کا حکم

اصلاً تو یہاں مقصود صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی تاکید ہے کہ آپ اپنا رویہ منافقین کے باب میں یکسر تبدیل کرلیں اور شدت کے ساتھ ان کا احتساب کریں لیکن ساتھ ہی کفار کا بھی حوالہ دے دیا ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اب یہ منافقین مسلمانوں کے زمرہ کے لوگ نہیں ہیں بلکہ یہ بھی کفار ہی کے زمرہ میں شامل ہیں۔ جہاد کا لفظ قتال اور شدتِ احتساب و دار و گیر سب پر حاوی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ اس نوعیت کا جہاد کرو جس کا تفصیل اعلان براءت کے تحت تفصیل سے حکم دیا جا چکا ہے اور ان منافقین کے ساتھ احتساب اور دار و گیر کا جہاد کرو۔ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ اسی احتساب اور دار و گیر کی وضاحت ہے۔ یعنی اب تک تم نے ان کے ساتھ نرمی و رأفت کا جو رویہ رکھا اس کی قدر انھوں نے نہیں پہچانی۔ یہ تمھاری کریم النفسی سے فائدہ اٹھا کر اپنی شرارتوں میں اور دلیر ہوتے چلے گئے۔ جھوٹے بہانوں اور جھوٹی قسموں کو انھوں نے اپنے لیے سپر بنا رکھا ہے اور تم اپنی طبیعت کی نرمی کے سبب سے ان کی چالوں سے آگاہ ہونے کے باوجود طرح دے جاتے ہو۔ اب اس کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ اب ان کو اچھی طرح کسو اور ہر معاملے میں سخت کسوٹی پر پرکھو تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ جھوٹ اور فریب کی نقاب ان کے چہروں پر باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اب یا تو انھیں مسلمانوں کی طرح مسلمان بن کر رہنا ہوگا یا اس انجام سے دوچار ہونا پڑے گا جو کفار کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ آیت ۴۳ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ ..... الآیۃ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجیے اس لیے کہ یہ ہدایت اسی کی توضیح مزید ہے۔

وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ یعنی اس دنیا میں یہ تمھاری اور اہل ایمان کی سختی اور سخت گیری کے سزاوار ہیں اور اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو نہایت برا ٹھکانا ہے۔ اس لیے کہ اس پر ایسے سخت گیر ملائکہ مامور ہیں جو ذرا بھی نرمی نہیں برتیں گے بلکہ ان کے باب میں خدا کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ۔ (التحریم ۶)

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (۷۴)

منافقین کا جھوٹ اور کفرِ غلیظ

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا۔ اوپر آیت ۶۵ میں گزر چکا ہے کہ منافقین اپنی مجالس میں اللہ کا، اس کی آیات کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے لیکن جب ان سے پوچھ گچھ ہوتی تو اصل بات گول کر جاتے اور قسم کھا کر اطمینان دلاتے کہ ہم نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی، ہم تو محض ہنسی دل لگی کر

رہے تھے۔ فرمایا کہ ان کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں۔ یہ کفر کا کلمہ بکتے ہیں اور پوچھ گچھ ہوتی ہے تو مکر جاتے ہیں ــــ اوپر والی آیت میں ان کو زمرۂ کفار میں جو شامل کیا ہے یہ گویا اس کی دلیل بیان ہوئی ہے۔

وَكَفَرُوا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ۔ یہ ان کے جرم کی سنگینی کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اظہار تو اسلام کا کیا لیکن اپنے اس استہزا سے ارتکاب کفر کا کیا۔ یہ امر واضح رہے کہ دعویٰ اسلام کا کرنا اور عمل سے اثبات کفر کا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک صریح کفر سے زیادہ مبغوض ہے اس لیے کہ اس میں کفر کے ساتھ اللہ اور رسول اور اہل ایمان کے ساتھ دھوکا بازی بھی شامل ہو جاتی ہے جو کھلے ہوئے کفر میں نہیں ہوتی۔ اسی حقیقت کی طرف سورۂ صف میں یوں اشارہ فرمایا ہے يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (اے ایمان والو، تم اس چیز کا دعویٰ کیوں کرتے ہو جو کرتے نہیں، اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ مبغوض ہے کہ تم جو کرتے نہیں اس کا دعویٰ کرو) اسی بنا پر منافقین، جیساکہ قرآن میں تصریح ہے، دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

منافقین کے خبیثانہ منصوبے اور ان کی نامرادی

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا۔ یہ دو لفظوں میں نہایت بلاغت کے ساتھ ان کے تمام خبیثانہ منصوبوں اور ساتھ ہی ان کی محرومیوں اور ناکامیوں کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا بس چلتا تو انھوں نے تو وہ منصوبے بنائے تھے کہ اسلام کی جڑ ہی اکھاڑ کے پھینک دیتے لیکن اللہ نے ان کے ارادوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ آیت ۴۸ کے تحت ہم منافقین کی بعض فتنہ پردازیوں اور شرارتوں کا ذکر کر آئے ہیں اور آگے ان کی مزید شرارتوں کا ذکر آئے گا لیکن ہر موقع پر انھوں نے منہ کی کھائی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بر سر موقع ان کا راز فاش کر دیا۔

منافقین کی کمینگی اور ناسپاسی

وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ یہ ان کی تنگ ظرفی اور کمینگی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ و رسول نے تو ان پر احسان فرمایا لیکن انھوں نے اس احسان کا یہ حق ادا کیا کہ اللہ اور رسول کا مذاق اڑاتے اور رات دن اسلام کی بیخ کنی کی سازش کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مدینہ کے عام لوگ اسلام سے پہلے بیشتر نہایت غریب تھے۔ اسلام کے بعد جب فتوحات کے دروازے کھلے تو یوں تو بحیثیت مجموعی سب ہی کے حالات بدل گئے لیکن خاص طور پر منافقین کے تو دن پھر گئے۔ اول تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دلداری کے خیال سے ان کو دیتے بھی زیادہ تھے، پھر یہ اپنی طماعی کے سبب سے لیتے بھی سو بہانوں سے تھے۔ مزید برآں ان کے پاس صرف لینے ہی والے ہاتھ تھے دینے والے ہاتھ سرے سے تھے ہی نہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا کوئی موقع آیا تو، اوپر بھی ذکر ہوا اور آگے بھی تفصیل آ رہی ہے، صاف کترا جاتے۔ اس طرح یہ لوگ مال دار بن گئے، اور اس مال داری کا صلہ اسلام کو، جس کے نام پر وہ مالدار بنے، انھوں نے یہ دیا کہ اس کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیا

کرتے رہے۔

منافقین کو دھمکی

فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ ..... الآیہ۔ یہ ان کو دھمکی ہے کہ اگر یہ توبہ کرلیں تو انہی کے حق میں بہتر ہے ورنہ یاد رکھیں کہ خدا انھیں دنیا میں بھی عذاب دے گا اور آخرت میں بھی۔ یہ دنیا میں اس عذاب میں حصہ دار ہوں گے جو کفار و مشرکین کے لیے مقدر ہو چکا ہے اور آخرت میں بھی انہی کے ساتھی ہوں گے اور یہ بھی اچھی طرح یاد رکھیں کہ اس سرزمین پر ان کا کوئی یار ہو گا نہ مددگار۔ جن کے ساتھ ان کا ساز باز ہے ان سب پر عنقریب نفسی نفسی کا وہ وقت آنے والا ہے کہ وہ خود اپنی مدد نہیں کر سکیں گے تو ان کی مدد وہ کیا کریں گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ (۷۵-۷۷)

اسلام کی بدولت مال دار بننے والوں کی کمزوری

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ یہ انہی اسلام کی بدولت مال دار بنے ہوئے کچھ لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ جب یہ غریب تھے تو اس وقت تو ان کا حال یہ تھا کہ ہر جگہ یہ اپنے اس شوق اور اس تمنا کا اظہار کرتے پھرتے تھے کہ اگر ہمارے حالات بھی اللہ نے سدھار دیے تو ہم بھی خدا کی راہ میں خوب خرچ کریں گے اور دین کی بڑی بڑی خدمتیں کر کے صالحین میں اپنا نام روشن کریں گے لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کی تمنا پوری کر دی اور دینے کا وقت آیا تو اس طرح منہ پھیر کر چل دیے ہیں گویا اللہ اور رسول سے کبھی ان کا کوئی قول و قرار تھا ہی نہیں۔ "چل دینا" کبھی اس نوعیت کا ہوتا ہے جس کے بعد مڑ کے آنے کی توقع ہوتی ہے لیکن یہاں 'تَوَلّٰی' کے بعد 'هُمْ مُّعْرِضُوْنَ' کی قید نے یہ واضح کر دیا کہ انفاق کا نام سن کر وہ اس طرح چل دیتے ہیں کہ پھر مڑ کے دیکھتے بھی نہیں۔

یہ انسان کی عجیب کمزوری ہے کہ جب تک ایک چیز اس کو حاصل نہیں ہوتی اس وقت تک تو یہ تمنا کرتا ہے کہ اگر مجھے یہ حاصل ہو جائے تو دوسروں کی طرح اس کو کسی غلط مصرف میں ضائع نہیں کروں گا بلکہ اس کو فلاں اور فلاں اعلیٰ مقاصد میں صرف کر کے نیکی اور عدل کی ایک نظیر قائم کر دوں گا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز دے دیتا ہے تو اسے یہ بات یاد بھی نہیں رہتی کہ اسی چیز کے لیے اس نے اپنے رب سے دل میں کیا کیا قول قرار کیے ہیں اور کس کس طرح اپنی تمناؤں کا اظہار کیا ہے بلکہ اس کو اپنی قابلیت اور اپنے استحقاق کا ثمرہ سمجھ کر وہ اس کا مالک بن بیٹھتا ہے اور خدا سے زیادہ اس کو شیطان کے لیے استعمال کرتا ہے۔ بہت کم خوش قسمت ایسے نکلتے ہیں جو نعمت پا کر منعم کا حق پہچانیں اور اس کو صحیح صحیح استعمال کریں۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ‘ اعقاب ’ کے معنی ایک شے کے بعد دوسری چیز کو اس کے ثمرہ اور نتیجہ کے طور پر ظہور میں لانا ہے۔

نفاق کی جڑ جمانے والا عمل

یعنی جن لوگوں نے اللہ سے اپنے کیے ہوئے وعدے کی اس طرح خلاف ورزی کی اور برابر جھوٹ بولتے رہے۔ خدا نے ان کے اس عمل کی پاداش میں ان کے دلوں کے اندر نفاق کی ایسی جڑ جما دی ہے جو خدا کی ملاقات کے دن تک اسی طرح جمی رہے گی اور اسی وقت اکھڑے گی جب جزائے اعمال کا مرحلہ بالکل سامنے ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے نفاق کی رضاعت و پرورش پر ایک مدت صرف کردی ہے۔ یہ چیز اتفاقاً ان کے اندر نہیں گھس آئی ہے بلکہ ان کے ایک دانستہ نقض عہد اور طویل جھوٹ اور فریب کا مولود فساد ہے جس سے ان کی جان اب مر کے ہی چھوٹے گی۔ یہ توقع نہ رکھو کہ ان کو توبہ اور اصلاح کی توفیق ہوگی۔ اب تو ان کے دلوں کا یہ کثیف پردہ اسی وقت ہٹے گا جب یہ اصل حقیقت کو سورج کی طرح سامنے دیکھ لیں گے۔ اسی سے ملتی جلتی بات آگے مسجد ضرار کے بانیوں سے متعلق فرمائی ہے۔ لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ - ۱۱۰ (یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ان کے دلوں میں ہمیشہ شک کی تعمیر بن کر جمی رہے گی۔ الا آنکہ ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں اور اللہ علیم و حکیم ہے)۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۷۸-۷۹)

منافقین کی بلادت

‘ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ ’ یہ اسلوب کلام استعجاب اور حسرت کے اظہار کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اتنی طویل تعلیم و تربیت، ایسی مسلسل سعی تطہیر و تزکیہ اور اتنے بے شمار حقائق کے انکشاف کے بعد بھی کیا یہ لوگ اتنے ٹھس اور غبی ہیں کہ اتنی موٹی سی بات بھی یہ نہ سمجھ سکے کہ خدا ان کے سارے راز اور ساری سرگوشیوں کو جانتا ہے اور اللہ تمام غیب کا عالم ہے۔ یہ بات ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ خدا ہر چیز کو فعلاً بھی جانتا ہے اور صفتاً بھی، اسی وجہ سے یہاں اور اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ قرآن کے دوسرے مقامات میں، خدا کے احاطۂ علم کو فعل کے صیغہ سے بھی واضح کیا گیا ہے اور صفت کے صیغہ سے بھی۔ باعتبار نظم یہ آیت آگے والی آیت کی تمہید ہے جس میں ان منافقین کی ان نکتہ چینیوں اور سرگوشیوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے جو وہ مومنین مخلصین کی حوصلہ شکنی کے لیے اپنے حلقوں میں کرتے رہتے تھے۔

‘ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ’۔ ‘ اَلَّذِیْنَ ’ یہاں میرے نزدیک ‘ نجواهم ’ میں ‘ هُمْ ’،

سے بدل ہے۔ اگرچہ مجھے اس پر پورا جزم نہیں ہے لیکن میں نے ترجمہ میں اسی کا لحاظ رکھا ہے۔ کشاف میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

'مُطَّوِّع' کا مفہوم

'مُتَطَوِّع' اور 'مُطَّوِّع' دونوں ایک ہی لفظ ہیں۔ 'مُطَّوِّع' اس کو کہتے ہیں جو صرف فرائض و واجبات ہی ادا کر لینے پر قناعت نہ کرے بلکہ اپنی خوشی اور حوصلہ مندی سے نفلی نیکیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔

'لمز' کے معنی عیب لگانا، ہجو کرنا، مذمت کرنا۔

منافقین کا ہمز و لمز

اوپر کی آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ منافقین اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ خود خرچ نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتے دیکھ نہیں سکتے۔ جس کو خرچ کرتے دیکھتے ہیں اس کو اپنے ہمز و لمز کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ جو فیاض اور مخلص مسلمان فیاضی اور خوش دلی سے خدا کی راہ میں دیتے ہیں ان کو تو کہتے ہیں کہ یہ ریاکار اور شہرت پسند ہے، اپنی دینداری اور سخاوت کی دھونس جمانے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ جو غریب بے چارے کچھ رکھتے ہی نہیں، اپنی محنت مزدوری کی گاڑھی کمائی ہی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی حوصلہ شکنی کے لیے ان کا یہ مذاق اڑاتے اور ان پر پھبتیاں چست کرتے ہیں کہ لو آج یہ بھی اٹھے ہیں کہ حاتم کا نام دنیا سے مٹا کر رکھ دیں۔

بخیلوں کی نفسیات کا ایک خاص پہلو

بخیلوں اور کنجوسوں کی نفسیات کا یہ پہلو ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ اپنی بخالت پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے ان کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ دوسرے بھی بخیل بنے رہیں۔ نکٹے دوسروں کو بھی نکٹا ہی دیکھنا چاہتا ہے تاکہ اسے کوئی نکٹا کہنے والا باقی نہ رہے۔ یہی نفسیات ان منافقین کی بھی تھی۔ پھر اس سے ان کے اسلام دشمنی کے جذبے کو تسکین ہوتی تھی۔ وہ خود اسلام کے لیے کوڑی خرچ کرنا چاہتے تھے نہ اس پر راضی تھے کہ کوئی دوسرا خرچ کرے۔ اپنی اس خواہش کے برخلاف وہ دوسروں کو جب دیکھتے کہ وہ اسلام کے لیے سب کچھ اس دریا دلی سے نثار کر رہے ہیں گویا اپنے ہی گھر بھر رہے ہیں، یہاں تک کہ مزدور اپنی مزدوری ہی میں سے، بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر، اس خوشی سے دیتا ہے گویا اپنی سیر آدھ سیر کھجور یا جو کے عوض دولت کونین خرید رہا ہے تو ان منافقین کے سینے پر سانپ لوٹ جاتا۔ وہ غصے سے کھولتے اور حسد سے جلتے، پھر اپنے دل کا بخار طعن و تشنیع، طنز اور پھبتی سے نکالتے۔

اللہ کی ڈھیل

'سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ' اسی طرح کا فقرہ ہے جس طرح بقرہ میں فرمایا ہے 'اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ' یعنی یہ تو اہل ایمان کا مذاق اڑا رہے ہیں لیکن اللہ ان کا مذاق اڑا رہا ہے کہ ان کی رسی دراز کیے جا رہا ہے کہ یہ خوب کلیلیں کر لیں تب ان کو وہاں سے پکڑے جہاں سے پکڑے جانے کا ان کو سان گمان بھی نہ ہو۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (۸۰)

یہ اسی سختی اور سخت گیری کی تاکید پر مبنی ہے جس کی ہدایت 'وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ' کے الفاظ سے فرمائی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت و شفقت تھے اس وجہ سے ان منافقین کی تمام شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کے باوجود، ان کی اصلاح اور نجات، آپ کو اس قدر عزیز تھی کہ جس طرح آپ اپنی تمام امت کے لیے برابر خدا سے مغفرت چاہتے رہتے تھے اسی طرح ان کے لیے بھی برابر نجات کی دعا کرتے رہتے۔ لیکن ان کی شقاوت، اس درجہ بڑھ گئی کہ یہ اس بات کو بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ کوئی دوسرا اسلام کی کوئی خیر خواہی کرے بلکہ ہر خیر خواہ کے حوصلہ کو پست کرنا انھوں نے اپنا پیشہ ٹھہرا لیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان اشقیا کے لیے استغفار سے روک دیا اور اس شدت و قطعیت کے ساتھ کہ اگر تم ستر بار بھی ان کے لیے استغفار کرو گے جب بھی اللہ ان کو معاف نہیں کرنے کا۔ ظاہر ہے کہ یہاں ستر کا عدد گنتی کو نہیں بلکہ کثرت کو ظاہر کرتا ہے۔ کثرت اور بے پایاں کثرت کے اظہار کے لیے یہ اسلوب عربی میں بھی معروف ہے اور ہماری زبان اردو میں بھی۔

منافقین کے باب میں سخت گیری کی سخت تاکید اور ان کے لیے استغفار کی ممانعت

'ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ' یہ سبب بیان ہوا اس شدت و قطعیت کے ساتھ مغفرت سے محروم ہونے کا۔ یعنی مغفرت تو ان کے لیے ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو ماننے والے ہوں۔ یہ اللہ اور رسول کے ماننے والے کب ہیں کہ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ یہ واضح رہے کہ یہ ان لوگوں کے عدم ایمان کا اعلان ہو رہا ہے جو نہ صرف اللہ اور رسول پر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے بلکہ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، دکھاوے کی نمازیں بھی پڑھ لیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی انھیں کرتوتوں کی بنا پر جو اوپر مذکور ہوئیں ان کے ایمان کو تسلیم نہیں کیا۔

منافقین کے کفر کا اعلان

'وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ' ہدایت یہاں غایت و مقصد کی ہدایت کے مفہوم میں ہے۔ اس کی وضاحت دوسرے مقام میں ہم تفصیل سے کر چکے ہیں۔ 'فاسق' یہاں بدعہد اور غدار کے مفہوم میں ہے۔ اوپر آیت ۷۴ 'كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ' کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

۱۴۔ آگے کا مضمون ـــــ آیات ۸۱-۸۹

غزوہ تبوک کے موقع پر جو منافقین بہانے بنا کر گھروں میں بیٹھ رہے اور اپنی فریب کاری پر بہت خوش تھے ان کے باب میں یہ آیات عین میدان جنگ میں نازل ہوئیں۔ سیاق و سباق بالکل واضح ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا
اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا اٰيات ٨١-٨٩
لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا
يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ
فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ
تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ
فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ
اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا
وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ
وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ
جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ
قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ
الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾ لٰكِنِ
الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع ۱۱ / ۱۷

ترجمۂ آیات ۸۱-۸۹

جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے وہ اللہ کے رسول سے پیچھے بیٹھ رہنے پر بہت مگن ہوئے اور انھوں نے برا جانا کہ وہ اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے کہا کہ اس گرمی میں نہ نکلو، کہہ دو دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش وہ سمجھتے ہوتے۔ پس وہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ اپنے کیے کی پاداش میں۔ پس اگر اللہ تم کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف پلٹائے اور وہ تم سے جہاد کے لیے نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دیجیو کہ تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکل سکتے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہیں لڑ سکتے تم پہلے بیٹھ رہنے پر راضی ہوئے تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھو۔ ۸۲-۸۳

اور نہ تم ان میں سے کسی پر جو مرے کبھی جنازے کی نماز پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ بدعہدی کے حال میں مرے اور تم ان کے مال اور اولاد کو کچھ وقعت نہ دو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے سبب سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں کفر کے حال میں نکلیں۔

اور جب کوئی سورہ اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان کا حق ادا کرو اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کے لیے نکلو تو ان میں کے جو مقدرت والے ہیں وہ بھی تمھارے پاس رخصت مانگنے آکھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے ہم بیٹھنے والوں ہی کے ساتھ رہیں گے۔ انھوں نے اس بات کو پسند کیا کہ پیچھے رہ جانے والیوں کے ساتھی بنیں، اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے تو اب وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ البتہ رسول اور جو لوگ

اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں انھوں نے اپنے مال و جان سے جہاد کیا اور یہی ہیں جن کے لیے رحمتیں اور برکتیں ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ان کے لیے اللہ نے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ بڑی کامیابی یہی ہے۔ ۸۴-۸۹

۱۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا یَفْقَهُوْنَ (۸۱)

'مُخَلَّفُوْن' سے مراد

'مُخَلَّف' کے معنی ہیں وہ جو پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ 'مُخَلَّفُوْن' سے یہاں ان لوگوں کو مراد لیا گیا ہے جو جھوٹے عذرات پیش کر کے تبوک کی مہم میں شریک ہونے سے گریز کر گئے۔ یہاں قرآن نے ان کے لیے 'مُخَلَّفُوْن' کا لفظ استعمال کر کے ان کی اصل حیثیت واضح کر دی ہے کہ بظاہر تو وہ اپنے زعم میں رسول سے رخصت حاصل کیے ہوئے ہیں لیکن حقیقت میں وہ پیچھے چھوڑے اور نظر انداز کیے ہوئے لوگ ہیں، ان کے باطن کو بھانپ کر اللہ کے رسول نے، ان کے عذرات لایعنی ہونے کے باوجود، صرف اس وجہ سے ان کی رخصت منظور کر لی کہ ایسے بزدل اور مفسد لوگ اپنے گھروں ہی میں بیٹھیں تو خیر ہے۔ جنگ کے لیے نکلیں گے تو معلوم نہیں کیا کیا فساد مچائیں۔

'خِلاف' کا مفہوم

لفظ 'خلاف' قرآن میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک بے ترتیب کے معنی میں مثلاً اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ (۳۳ مائدہ) (یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ دیے جائیں) دوسرے بعد اور پیچھے کے معنی میں مثلاً اِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا (۷۶- اسراء) (تو تیرے پیچھے یہ بھی کچھ زیادہ نہ ٹک سکیں گے) یہاں یہ اسی دوسرے معنی میں ہے۔ یعنی یہ لوگ اس بات پر بہت خوش ہیں کہ اللہ کا رسول تو اپنے جاں نثاروں کے ساتھ میدانِ جنگ کے لیے روانہ ہوا اور یہ بہانے بنا کر گھروں میں بیٹھے رہنے میں کامیاب ہوئے حالانکہ یہ کوئی خوشی کی بات نہیں بلکہ سوچیں تو ان کی شامت کی دلیل ہے۔ جو بھیڑ گلے یا چرواہے سے پیچھے رہ جاتی ہے شیطان بھیڑیا بن کر اس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔

'وَكَرِهُوْٓا اَنْ یُّجَاهِدُوْا' یہ 'فَرِحَ' کا ضد ہے۔ یعنی جو بات خوش ہونے کی تھی وہ تو ان کو ناگوار ہوئی

اور جو چیز ماتم کرنے کی تھی اس پر پھولے نہیں سماتے۔

'وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ' یعنی صرف اپنے ہی بیٹھ رہنے پر قانع نہیں ہوئے بلکہ موسم کی شدت کے ڈراوے سنا سنا کر دوسروں کو بھی ورغلانے کی کوشش کی کہ گرمی کا شباب ہے، اس آگ میں اس سفر کے لیے نہ نکلو۔ یہ واضح رہے کہ تبوک کی مہم نہایت گرم موسم میں پیش آئی تھی۔

'قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ' یعنی انھیں بتا دو کہ ایسے تن آسانوں عافیت کوشوں کے لیے آگے جہنم کی آگ ہے جس کی گرمی سے اس گرمی کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ گرمی سے بھاگے اور جہنم کی آگ میں کود رہے ہیں۔ کاش یہ اس حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے!

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۸۲)

عمل اور جزا دونوں سامنے

یعنی جب یہ موسم کی گرمی سے بھاگ کر جہنم کی آگ میں کود رہے ہیں تو اپنی اس کرتوت کی پاداش میں حق یہ ہے کہ یہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ لیکن جیسا کہ اوپر والی آیت میں گزرا، یہ فہم و بصیرت سے عاری ہو چکے ہیں اس وجہ سے اپنی اس شامت اور بدبختی پر خوش ہیں گویا انھوں نے کوئی بڑا تیر مارا ہے۔ عام طور پر مفسرین نے یہاں انشا کو خبر کے معنی میں لیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ یہاں عمل اور جزا دونوں کو نگاہوں کے سامنے مستحضر کر دیا گیا ہے اس لیے کہ جس کے اندر بصیرت ہو وہ اس دنیا میں اپنے عمل کے آئینے میں اپنی جزا کو بھی دیکھ لیتا ہے اور اس پر اس کا اثر بھی وہی پڑتا ہے جو پڑنا چاہیے البتہ اندھے بہرے لوگ اس سے محروم رہتے ہیں۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ (۸۳)

ان آیات کا موقع نزول اور ان کے اشارات

'رَجْع' لازم اور متعدی دونوں آتا ہے۔ اس آیت کے اسلوب بیان سے ایک تو یہ اشارہ نکلتا ہے کہ یہ آیتیں تبوک کے سفر کے دوران ہی نازل ہوئی ہیں اس لیے کہ فرمایا ہے کہ اگر تمھیں خدا لوٹائے جو واضح قرینہ اسی بات کا ہے کہ اس سفر سے لوٹائے۔

دوسرا اشارہ یہ نکلتا ہے کہ منافقین کی ان حرکتوں کے سبب سے جو اوپر بیان ہوئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس درجہ بیزار اور متنفر ہو گئے تھے کہ ان کے منہ دیکھنے کے روادار نہیں رہ گئے تھے۔ حضورؐ کی یہ بیزاری عین اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کے تحت تھی۔ اس وجہ سے ارشاد ہوا کہ ہر چند یہ لوگ اس قابل نہیں رہ گئے ہیں کہ تم ان کی شکل دیکھو لیکن اگر اللہ تقدیر سے ان کی کسی ٹولی سے، اس سفر سے واپسی پر، ملاہی دے اور یہ اپنی کھسیاہٹ مٹانے اور اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے تم سے کسی آیندہ جنگ میں شرکت کی درخواست کریں تو تم ان کی درخواست سختی سے رد کر دینا۔ یہ گویا اس حکم کا ایک پہلو واضح فرمایا گیا ہے جو اوپر آیت ۷۳ میں ان کے ساتھ سخت

رویہ اختیار کرنے کی بابت دیا گیا ہے۔

تیسرا اشارہ اس میں منافقین کے اس گمان کی طرف ہے جو وہ اس موقع پر اپنے دلوں میں رکھتے تھے ان کا گمان یہ تھا کہ اب کے رومیوں کی منظم اور کثیر التعداد فوج سے مقابلہ ہے اس وجہ سے مسلمانوں کو گھر پلٹنا نصیب نہ ہوگا۔ ان کے اسی گمان کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ اگر ان کے گمان اور ان کی خواہش کے علی الرغم خدا تم کو ان کی طرف پلٹا ہی دے۔ اسی قسم کا گمان منافقین کو حدیبیہ کے موقع پر بھی تھا جس کی طرف سورہ فتح کی آیت ۱۲ میں اشارہ ہے۔ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا ..... الاٰیۃ (بلکہ تم نے گمان کیا کہ رسول اور مسلمانوں کو اپنے اہل و عیال میں پلٹنا نصیب نہ ہوگا)۔

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ : یعنی ان کو صاف بتا دینا کہ نہ اب تم کسی سفر میں میرے ساتھی بن سکتے اور نہ میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے جنگ کر سکتے۔ تم جس طرح پہلے گھروں میں بیٹھ رہے اسی طرح جاؤ پیچھے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھو۔ یہ گویا سب سے بڑی جماعتی خدمت سے ان کو عملاً روک دینے کی شکل اختیار کرنے کی ہدایت ہوئی تاکہ یہ رسوا ہوں اور اب تک غدارانہ اور بہانوں کے پردے میں وہ مسلمانوں کے اندر جو گھسے ہوئے تھے یہ قصہ ختم ہو۔ اب تک تو وہ جہاد سے بچنے کے لیے رخصتیں مانگتے تھے، اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہوئی کہ اگر یہ جہاد میں شرکت کی اجازت مانگیں تو انھیں اجازت نہ دیجیو۔ اس لیے کہ انھیں تنبیہ، جیسا کہ سورۂ فتح آیت ۱۵ سے واضح ہے، بہت پہلے کر دی گئی تھی۔ یہ اسلوب بیان توفیق کی نفی کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور ممانعت کے لیے بھی۔ میرے نزدیک سورۂ فتح والی آیت تو نفی توفیق کے مفہوم میں ہے لیکن آیت زیر بحث ممانعت کے سیاق میں ہے۔ والعلم عند اللہ۔

جماعتی خدمات سے منافقین کی محرومی

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (۸۴)

منافقین کی نماز جنازہ اور دعائے استغفار کی ممانعت

یہ جماعت سے ان کو کاٹ پھینکنے کی ایک اور سخت تر بلکہ آخری صورت اختیار کرنے کی ہدایت ہوئی۔ اوپر آیت ۸۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کی ممانعت ہو چکی ہے، اب یہاں ان کے جنازے کی نماز پڑھنے اور ان کی قبروں پر دعائے استغفار کے لیے کھڑے ہونے کی بھی ممانعت فرما دی گئی۔ گویا زندگی اور موت دونوں میں ان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیا گیا۔ جماعتی زندگی سے آدمی کا آخری رشتہ یہی ہوتا ہے کہ مرنے پر اپنے جماعتی بھائیوں کے ہاتھوں دفن ہوتا اور ان کی دعاؤں کا زادِ راہ لے کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ اس ممانعت نے پیغمبر اور اہل ایمان کے ساتھ ان کا یہ آخری رشتہ

بھی کاٹ دیا۔

'اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ' یہ اس ممانعت کی علت بیان ہوئی ہے کہ ان کی موت ایمان پر نہیں بلکہ کفر پر ہوئی۔ 'فسق' یہاں بدعہدی اور غداری کے معنی میں ہے یعنی اگرچہ یہ ایمان کے مدعی اور دکھاوے کے لیے اسلام کے بعض رسوم بھی ادا کرتے رہے لیکن اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ انھوں نے جو عہد باندھا اس کو یہ توڑ چکے ہیں۔ اس کے شاہد ان کے وہ اعمال ہیں جو اوپر مذکور ہوئے

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (۸۵)

اس آیت کی وضاحت اسی سورہ میں پیچھے گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ۵۵۔

وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (۸۶ - ۸۷)

لفظ سورہ کا مفہوم

جس طرح لفظ 'کتاب'، یا 'قرآن' بعض مقامات میں قرآن کے کسی حکم یا اس کے کسی حصہ کے لیے خود قرآن میں استعمال ہوا ہے، اسی طرح لفظ 'سورہ' یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں بلکہ اس کے کسی حصہ یا ٹکڑے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

فعل اپنے کامل معنی میں

'اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهٖ' فعل 'اٰمِنُوْا' یہاں اپنے حقیقی اور کامل معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی اپنے ایمان باللہ کا ثبوت دو جو یہ ہے کہ اللہ کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کے لیے نکلو۔

منافقین کی بہانہ بازیاں

'اِسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ' - 'طول' کے معنی قدرت اور غنا کے ہیں۔ یعنی جب ان سے اللہ کی راہ میں جہاد کا مطالبہ ہوتا ہے تو یہ اپنے دعوائے ایمان میں بالکل پھسڈی ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے غربا اور مسکینوں کا تو کیا ذکر، ان میں جو مقدرت اور مال والے ہیں، تندرست جسم بھی رکھتے ہیں اور سامان جنگ فراہم کرنے کا وافر ذریعہ بھی، ان تک کا حال یہ ہے کہ کوئی عذر تراش کر پیغمبر کے پاس رخصت مانگنے آکھڑے ہوتے ہیں۔

مافی الذہن کی تعبیر قول سے

'وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ' میرے نزدیک یہ ان کے مافی الذہن کو ان کے قول سے تعبیر فرمایا ہے۔ قرآن میں بعض جگہ یہود کا قول نقل ہوا ہے 'وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا' ہرچند وہ کہتے تو تھے 'سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'، لیکن چونکہ ان کے دل کی آواز یہی ہوتی تھی کہ 'سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا' اور اپنے عمل سے بھی انھوں نے اسی کی گواہی دی اس وجہ سے قرآن نے ان کے دل کی شہادت کو ان کے قول سے تعبیر فرمایا، گویا انھوں نے 'سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا' نہیں بلکہ 'سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا' ہی کہا تھا۔ اسی طرح ان منافقین نے اگرچہ پیش تو کیے عذرات اور کچھ مجبوریاں لیکن ان سب کے باطن میں مضمر

تھی محض تن آسانی اور بزدلی ۔ وہ نکلنے والے غازیوں کے ساتھی نہیں بلکہ بیٹھ رہنے والے بزدلوں، ناکاروں، اور معذوروں کے ساتھی بننا چاہتے تھے ۔ ان کے عذرات اور بہانوں کی اسی مضمر حقیقت کو قرآن نے ان کے قول سے تعبیر کر دیا ہے جس میں ایک نہایت لطیف قسم کا طنز پیدا ہو گیا ہے جس کی ایک سے زیادہ نظیریں قرآن میں موجود ہیں ۔ یہی طنز آگے والی آیت میں ذرا تیز ہو گیا ہے ۔

مرد ہو کر عورتوں کے ساتھی

رَضُوا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۔ 'خوالف' عورتوں کو کہتے ہیں اس لیے کہ مرد جنگ و جہاد اور دوسرے مردانہ کاموں کے لیے گھر سے باہر نکلتے ہیں اور یہ بچوں اور گھروں کی دیکھ بھال کے لیے گھروں میں بیٹھتی ہیں ۔ فرمایا کہ انھوں نے مرد ہو کر غازیوں کی ہم سفری اور ہم رکابی کی بجائے اپنے لیے یہی پسند کیا کہ عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھیں ۔ ان کی اس ایمانی اور اخلاقی موت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا ، نہ اب وہ کوئی صحیح بات سوچتے ہیں ۔ نہ کسی عزم و ہمت کے کام کے لیے ان کے اندر حوصلہ ہی پیدا ہوتا ہے ۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۸۸ - ۸۹)

سچے اہل ایمان کا کردار

اب یہ سچے اور پکے اہل ایمان کا کردار اور ان کا انجام بیان ہو رہا ہے اور مقصود اس سے ان مخلصین کی تحسین بھی ہے اور ان منافقین کو غیرت دلانا بھی کہ رسول کے جو سچے ساتھی ہیں وہ جب حکم جہاد ہوتا ہے تو ان منافقین کی طرح رخصت کی عرضیاں لے کر نہیں دوڑتے بلکہ اپنے مال اور سر لے کر رسول کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں ۔ فرمایا کہ اصلاً انہی کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں ۔

۱۶۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۹۰ - ۹۹

اوپر زیادہ تر بحث شہری منافقین سے تھی جو مدینہ اور اس کے آس پاس آباد تھے ۔ آگے ان منافقین کا ذکر آ رہا ہے جو دیہاتوں میں رہائش رکھتے تھے ۔ بیماریاں دونوں کی ایک ہی قسم کی ہیں اس وجہ سے حکم بھی دونوں کا ایک ہی بیان ہوا ہے ۔ اسی ضمن میں حقیقی معذورین کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے تاکہ بہانہ بازوں اور حقیقی معذوروں کے امتیاز میں کوئی گھپلا پیش نہ آئے ۔ منافقین کے باب میں چونکہ یہ فیصلہ کن بحث تھی ، اندیشہ تھا کہ کوئی بے گناہ زد میں آ جائے ، اس وجہ سے دونوں کے درمیان ایک خط واضح کھینچنا ضروری ہوا ۔ آیات ملاحظہ فرمائیے ۔

آيات ٩٠-٩٩ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ
كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا
يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى
الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ
اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ
تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا
يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ
وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٣﴾ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا
رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا
اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ
تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ
لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ
لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا

حُدُودَ مَآ أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ
الْأَعْرَابِ مَن يَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۚ
عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ
مَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَاتٍ عِندَ
اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَآ إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ
فِي رَحْمَتِهِۦٓ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٩﴾

ع ۱۲ / ۱۰ / ۱ — ترجمہ آیات ۹۰-۹۹

اور دیہاتیوں میں سے بھی بہانہ باز لوگ آئے کہ انھیں رخصت دی جائے اور جو اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولے وہ بیٹھ رہے۔ ان میں سے جنھوں نے کفر کیا ان کو ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔ ۹۰

کمزوروں، بیماروں اور ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جنھیں خرچ کرنے کی مقدرت نہیں ہے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں۔ خوب کاروں پر کوئی الزام نہیں ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اور نہ ان لوگوں پر کوئی الزام ہے جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمھارے پاس آتے ہیں کہ ان کے لیے کسی سواری کا انتظام کردو، تم کہتے ہو میرے پاس تمھاری سواری کا کوئی بندوبست نہیں تو وہ اس حال میں واپس ہوتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو رواں ہوتے ہیں کہ افسوس کہ وہ خرچ کرنے کی مقدرت نہیں رکھتے۔ الزام تو بس ان پر ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ یہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی۔ پس وہ علم سے محروم ہوگئے۔ ۹۱-۹۳

جب تم لوگ ان کی طرف پلٹو گے تو یہ تمھارے سامنے باتیں بنائیں گے۔ کہہ دیجیو کہ باتیں نہ بناؤ۔ ہم تمھاری باتیں باور کرنے والے نہیں۔ اللہ نے ہمیں تمھارے حالات سے اچھی طرح باخبر کر دیا ہے۔ اب اللہ اور اس کا رسول تمھارے عمل کو دیکھیں گے، پھر تم غائب وحاضر کے جاننے والے کے آگے پیش کیے جاؤ گے اور وہ تمھیں تمھاری ساری کرتوت سے آگاہ کرے گا۔ یہ لوگ تمھاری واپسی پر تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے چشم پوشی برتو۔ سو تم ان سے اعراض برتو۔ یہ یکسر ناپاک ہیں اور ان کی کرتوت کی پاداش میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ تمھارے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ ان بدعہد لوگوں سے راضی ہونے والا نہیں۔ یہ دیہاتی کفر و نفاق میں زیادہ پختہ اور زیادہ لائق ہیں اس بات کے کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ اتارا ہے اس کے حدود سے بے خبر رہیں اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۹۴ - ۹۷

اور ان دیہاتیوں میں سے وہ بھی ہیں جو راہِ خدا میں اپنے خرچ کو ایک تاوان سمجھتے ہیں اور تمھارے لیے گردشوں کے متمنی ہیں۔ بری گردش انھی پر ہے اور اللہ سمیع و علیم ہے۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اور رسول کی دعاؤں کو حصولِ قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سو بے شک یہ ان کے لیے واسطۂ قربت ہی ہے۔ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ ۹۷ - ۹۹

۱۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

'معذر' کا مفہوم

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۹۰)

'معذّر' کے معنی ہیں جھوٹا اور بالکل بے سرو پا عذرات تراشنے والا بہانہ باز جو ہر ذمہ داری سے بچنے کے لیے کوئی نہ کوئی عذر گھڑ لیتا ہو۔ 'معذر' اور 'معتذر' میں یہ فرق ہے کہ 'معتذر' کا عذر جھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور بعض حالات میں سچا بھی، لیکن معذر کہتے ہی اس کو ہیں جو نرا بہانہ باز ہو۔

'اعراب' سے مراد

'اعراب'، 'اعرابی' کی جمع ہے۔ 'اعراب' 'سکان البادیہ' یعنی بدوی اور دیہاتی عربوں کو کہتے ہیں۔ یہاں یہ اطراف مدینہ اور صحرائی علاقوں کے ان بادیہ نشینوں کے لیے استعمال ہوا ہے جن کی اکثریت نے اگرچہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے مرعوب ہو کر اس کی سیاسی سیادت تسلیم کر لی تھی لیکن اسلام ان کے اندر رچا بسا نہیں تھا۔ اول تو یہ لوگ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اسلام کی طرف اس کی روحانیت کی جاذبیت سے زیادہ اس کی ابھرتی ہوئی طاقت سے متاثر ہو کر آئے تھے۔ ثانیاً مرکز سے دور رہنے کی وجہ سے ان کی تعلیم و تربیت کا کماحقہ، انتظام نہ تو ممکن ہی تھا اور نہ یہ اپنی کھیتی باڑی اور مال مویشی کے دھندوں سے کچھ وقت اس مقصد کے لیے نکالنے پر آمادہ ہی ہوتے تھے کہ مرکز میں آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی بابرکت صحبت سے فائدہ اٹھائیں۔ ان میں جو لوگ اپنے اندر صلاحیت رکھتے تھے وہ اگر چاہتے تو بجائے خود بھی اپنی اصلاح و تربیت کی کوشش کرتے اور وقتاً فوقتاً مدینہ آکر نبیؐ اور صحابہؓ کی صحبت سے بھی فائدہ اٹھاتے لیکن اکثریت ایسے ہی لوگوں پر مشتمل تھی جو اسلام کا نام تو لیتے تھے لیکن اسلام کی حدود و قیود سے بالکل بے خبر، اجڈ اور گنوار تھے۔ یہی لوگ بعد میں اس فتنۂ ارتداد کی آگ کا ایندھن بنے جس کو بجھانے کے لیے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو سر دھڑ کی بازی لگا دینی پڑی۔

بہانہ ساز اور جھوٹے

'وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ' یعنی ان کے اندر کے کچھ بہانہ باز آئے تو عذر پیش کرنے اور رخصت مانگنے کے لیے آئے اور کچھ جو اللہ اور رسول سے سمع و طاعت کا عہد کرنے میں بالکل ہی جھوٹے تھے انھوں نے کوئی جھوٹا سچا عذر پیش کرنے کی بھی زحمت نہیں اٹھائی بلکہ دعوتِ جہاد کی پروا کیے بغیر یوں ہی گھر میں بیٹھے رہے۔

بہانہ بازوں اور حقیقی معذوروں میں فرق

'سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ'۔ 'مِنْهُمْ' یعنی مِنَ الْاَعْرَابِ۔ چونکہ ان اعراب میں جیسا کہ آگے تصریح آئے گی، ایک گروہ مومنین و مخلصین کا بھی تھا جو سچے دل سے اسلام لائے تھے اور دین کے ہر موقع پر ایثار و قربانی میں پیش پیش تھے، اس وجہ سے فرمایا کہ ان اعراب میں

سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے یعنی اظہارِ اسلام کے باوجود اس کے واجبات و فرائض سے جھوٹے بہانے بنا کر یا ان کو دیدہ دلیری سے نظر انداز کر کے گھروں میں بیٹھ رہے ہیں، ان کو ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔ صرف وہ لوگ اس سے مستثنیٰ رہیں گے جو اللہ رسول سے کیے ہوئے عہد پر قائم رہے ہیں یا وہ واقعی معذور و مجبور تھے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ۝ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۹۱-۹۳)

اب یہ معذّرین اور حقیقی معذورین کے درمیان فرق واضح کر دیا گیا ہے تاکہ نہ تو ہر بہانہ باز اپنے کو معذور ٹھہرا سکے نہ کسی واقعی معذور پر نفاق کی تہمت عائد کی جا سکے۔

حقیقی معذورین

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔ یعنی کمزور، مریض اور تنگ حال جو اپنے لیے زادِ راہ اور سواری

جو جہاد کے لیے تو بے قرار ہیں لیکن اپنی ناداری کے سبب سے کسی سواری کا بندوبست خود کر سکنے پر قادر نہیں ہیں اور جب تمہارے پاس کسی سواری کے لیے درخواست لے کر آتے ہیں تو تم بھی معذرت کا اہتمام نہیں کر سکتے وہ حقیقی معذورین میں ہیں۔ یہ جہاد میں شامل نہ ہو سکیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ یہ اللہ کے دین اور اس کے رسول کے خیر خواہ رہیں۔ یہ قید نہایت اہم ہے اس لیے کہ بہت سے مریض اور غریب ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو گھر بیٹھے بیٹھے اپنی ریشہ دوانیوں اور فتنہ پردازیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔ اس قسم کے لوگ گناہ سے بری نہیں ہوں گے گناہ سے بری صرف وہی ہوں گے جو اپنی کمزوری، بیماری یا غربت کے سبب سے اگر میدانِ جنگ میں نہ پہنچ سکیں تو جہاں ہیں وہیں اپنے امکان کے حد تک اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کریں اور اگر کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے اپنے بستروں پر اور گھروں میں صدقِ دل سے اسلام اور مسلمانوں کی فتح مندی کی دعائیں اور اپنی محرومی پر غم کریں کہ افسوس ہے کہ وہ جہاد کے اہل نہیں رہے۔ فرمایا کہ جو لوگ ایسے ہوں گے وہی محسن یعنی خوب کار ٹھہریں گے اور ایسے خوب کاروں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

حقیقی معذورین کی معذوری کی شہادت ہر بُن مو سے

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں ہے

کر دیتے ہو کہ ان کے لیے کسی سواری کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ اس حالت میں تمھارے پاس سے لوٹتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوتی ہیں کہ افسوس وہ اس قابل نہیں کہ اپنے خرچ سے شرکتِ جہاد کا بندوبست کر سکیں —— اگرچہ اس طرح کے لوگوں کا حکم اوپر والی آیت میں بھی موجود تھا لیکن ان کا ذکر خاص طور پر یہ ظاہر کرنے کے لیے فرمایا کہ جن لوگوں کے لیے مانع صرف غربت و ناداری ہو، ایمان کی کمزوری نہ ہو، ان کی صداقت کا شاہد ان کا وہ جذبہ ہوتا ہے جو ایسے موقعوں پر ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایسے مواقع پر یہ خیال کر کے مطمئن ہو بیٹھتے ہیں کہ ہم تو نادار ہیں، ہمارے پاس نہ ہتھیار، نہ سواری، نہ زادِ راہ، ہمیں تو جنگ و جہاد کی ذمہ داری سے اللہ ہی نے فارغ کر رکھا ہے، دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو آسانی سے اس سعادت سے محروم رہنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ جہاں سے بھی امید ہوتی ہے کہ ان کے لیے بھی کچھ بندوبست ہو جائے گا وہ اس کے لیے کوشش کرتے ہیں اور اگر ان کو اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو ان کے دل اپنی محرومی پر تڑپ اٹھتے ہیں اور ان کی اس تڑپ اور اس بے قراری کی گواہ ان کی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں ہوتی ہیں —— گویا غریبوں کے لیے بھی ان کی ناداری اسی صورت میں سچا عذر ہے جب ان کا ہر بُنِ مُو ان کے جوش و جذبے کا شاہد ہو۔

اصلی مجرمین

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ۔ اصل معذرین یہ ہیں جو مال رکھتے ہیں، اسباب رکھتے ہیں، اسلحہ رکھتے ہیں، سواری رکھتے ہیں لیکن جب جہاد کا موقع آتا ہے تو رخصت کے طلب گار بن کر آن کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کی بے حمیتی و بے غیرتی اس حد کو پہنچ گئی کہ عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھے رہنے پر راضی ہیں۔ ان کی اس اخلاقی و ایمانی موت کے سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور اب ان کا حال یہ ہے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے کہ وہ کس انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (٩٤)

'اِعْتِذَار' یہاں باتیں بنانے اور جھوٹے عذر تراشنے کے معنی میں ہے۔ یعنی جب تم اس سفر سے (اشارہ سفرِ تبوک کی طرف ہے) پلٹو گے تو یہ منافقین اپنے رویہ کے باب میں تم کو (خطاب مسلمانوں سے ہے) مطمئن کرنے کے لیے اپنے گھڑے ہوئے عذرات کی داستان سنائیں گے۔

پیغمبر کی زبان تمام اہل ایمان کی ترجمان

قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ' قُلْ' یہاں واحد ہے درآنحالیکہ اوپر والے ٹکڑے میں خطاب جمع سے ہے اور بعد میں بھی 'لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ' اور 'نَبَّاَنَا اللّٰهُ' جمع ہی کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سب مسلمانوں

پڑ رہا ہے۔ ان کی ہر وقت تمنا یہ ہے کہ تم پر کوئی گردش آئے تاکہ کسی طرح تم سے ان کی جان چھوٹے۔ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ، یعنی یہ تمہارے لیے گردش کا انتظار کر رہے ہیں حالانکہ گردش خود انہی پر ہے اور گردش بھی نہایت بری گردش۔ اللہ سمیع و علیم ہے۔ اس سے کوئی راز اور بھید مخفی نہیں ہے۔ وہ جو کچھ بتا رہا ہے سب سمع و علم پر مبنی ہے اور جو کچھ ان کے ساتھ معاملہ کرے گا وہ بھی سمع و علم پر مبنی ہوگا۔

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۹۹)

"قربات" "قربۃ" کی جمع ہے۔ اس سے مراد بر و تقویٰ اور احسان و انفاق کے وہ کام ہیں جو خدا کے تقرب کا وسیلہ و ذریعہ بنتے ہیں۔

اعراب میں مخلصین اور راست باز

اعراب میں جو مخلص اور راست باز مسلمان تھے یہ ان کا بیان ہے۔ فرمایا کہ ان اعراب میں سچے اور پکے مسلمان بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر مضبوط ایمان رکھتے ہیں۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو یہ منافقین کی طرح جرمانہ نہیں سمجھتے بلکہ اپنے انفاق کو اور رسول کی دعاؤں کو خدا کے تقرب کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اوپر آیت ۸۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے لیے استغفار سے اور آیت ۸۴ میں ان کی نماز جنازہ سے روک دیا گیا ہے لیکن مخلصین کو یہ دونوں چیزیں حاصل تھیں۔ اس لیے فرمایا کہ وہ اپنے انفاق اور رسول کی دعاؤں کو تقرب الٰہی کا ذریعہ بناتے جب کہ منافقین ان دونوں ہی چیزوں سے محروم ہیں۔ "أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ" میں ضمیر مؤنث ہر چند واحد ہے لیکن یہ سابق الذکر دونوں ہی چیزوں کی طرف لوٹے گی۔ اس اسلوب کی وضاحت دوسرے مقام میں تفصیل سے ہم کر چکے ہیں۔

عام طور پر مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ وہ اپنے انفاق کو نبی کی دعاؤں کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن مجھے اس مطلب کے قبول کرنے میں تردد ہے۔ یہ مطلب لینے کے لیے کلام میں ایسے محذوفات ماننے پڑیں گے جن کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ مولانا فراہیؒ کی تاویل بھی یہی ہے جو میں نے اختیار کی ہے۔ یہ مجھے زبان اور نظم کلام دونوں پہلوؤں سے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

۱۸۔ آگے کا مضمون —— آیات ۱۰۰-۱۱۲

آگے کی آیات میں پہلے ان لوگوں کی تحسین فرمائی ہے جو اسلام کی طرف سب سے پہلے سبقت کرنے والے بنے یا جنھوں نے کمال اخلاص کے ساتھ ان کے نقش قدم کی پیروی کی۔ اسلامی معاشرہ کے اصل اجزائے ترکیبی یہی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اور فوز عظیم کی بشارت دی۔

پھر مدینہ اور دیہاتی علاقوں کے منافقین کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کو دنیا اور برزخ اور آخرت تینوں ہی میں عذاب عظیم کی دھمکی دی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ ان کو اسلام

اور اسلامی معاشرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

پھر ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن کو اس عظیم سورہ نے جھنجھوڑ کر اپنے گناہوں کے اعتراف اور توبہ استغفار کے لیے بے چین کر دیا تھا۔ ان کو قبولیت توبہ کی نوید سنائی گئی اور ان کی اصلاح و تربیت کے باب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض ہدایات دی گئیں۔ نیز بعض لوگوں کے بارے میں یہ ہدایت ہوئی کہ ان کی قبولیت توبہ کا معاملہ آیندہ پر ملتوی کیا جاتا ہے، وہ فیصلۂ الٰہی کا انتظار کریں۔

اس کے بعد مسجد ضرار اور اس کے بانیوں کے معاملہ کو لیا ہے اور ان کے باب میں اپنے فیصلہ کا اعلان فرمایا ہے۔

آگے مسلمانوں اور اللہ کے مابین جو عہد و پیمان ہے اس کا حوالہ دیا ہے اور اس عہد و پیمان کے بموجب مسلمانوں کو جن اوصاف کا حامل ہونا چاہیے اس کی وضاحت فرمائی ہے تاکہ مسلم معاشرہ ہر قسم کے غیر مطلوب عناصر سے پاک صاف ہو کر اپنے اصلی رنگ میں نمایاں ہو جائے ——— اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ١٠٠-١١٢

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ
بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾ وَمِمَّنْ
حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا
عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ
يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا
عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ
بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾
اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ

اور کچھ دوسرے بھی ہیں جن کا معاملہ اللہ کے فیصلہ تک ملتوی کیا جاتا ہے۔ یا تو
ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۱۰۶
اور جنھوں نے ایک مسجد بنائی ہے اسلام کو نقصان پہنچانے، کفر کو تقویت دینے،
اہل ایمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور ان لوگوں کے واسطے ایک اڈا فراہم کرنے کی غرض
سے جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں اور یہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے
یہ کام صرف بھلائی کی غرض سے کیا ہے اور اللہ شاہد ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ تم اس
میں کبھی کھڑے نہ ہوجیو۔ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اوّل سے تقویٰ پر پڑی ہے وہ حق دار
ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو عزیز رکھتے ہیں اور اللہ پاکیزگی
کو عزیز رکھنے والوں ہی کو عزیز رکھتا ہے۔ کیا وہ بہتر ہے جس نے اپنی تعمیر کی بنیاد اللہ کے
تقویٰ اور اس کی خوشنودی پر رکھی یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک کھوکھلی گرتی ہوئی ِگگر پر
اٹھائی پس وہ اس کے سمیت دوزخ میں بیٹھ گئی؟ اور اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔
اور یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ان کے دلوں میں شک کی بنیاد بن کر جمی رہے گی الا آنکہ
ان کے دل ہی پاش پاش ہو جائیں اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۱۰۷-۱۱۰
بے شک اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کے جان و مال ان کے لیے جنت کے عوض
خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔
یہ اللہ کے ذمہ ایک سچا وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے
وعدے کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ سو تم اس سودے پر جو تم نے اس کے ساتھ کیا
ہے خوشی مناؤ۔ اور یہی دراصل بڑی کامیابی ہے۔ توبہ کرتے رہنے والے، عبادت گزار،

شکر گزار، ریاض کرنے والے، رکوع سجدہ کرتے رہنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی نگہداشت رکھنے والے اصلی مومن ہیں اور ان مومنوں کو خوش خبری سنا دو۔ ۱۱۱-۱۱۲

۱۹- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۰۰)

اسلامی معاشرہ کے گل سر سبد لوگ

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے گل سر سبد اور اصل سرمایہ کون لوگ ہیں۔ یہ بتانے سے مقصود ایک طرف تو عام مسلمانوں کے سامنے ان لوگوں کو پیش کر دینا ہے جن کے عمل ان کے لیے مثال اور نمونہ ہیں اور جن کی انہیں پیروی اور تقلید کرنی ہے، دوسری طرف منافقین پر یہ واضح کر دینا ہے کہ وہ اپنے آپ کو قدوسیوں کی اس جماعت میں گھسائے رکھنے کی اب کوشش نہ کریں۔ اس جماعت میں شامل رہنا ہے تو ان کے رنگ ڈھنگ اختیار کریں ورنہ اپنے انجام سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہیں۔ فرمایا کہ اس امت کا ہراول دستہ مہاجرین و انصار میں سے وہ سابقون اولون ہیں جنھوں نے سب سے پہلے نبی کی دعوت پر لبیک کہی، جو اس وقت اسلام کی طرف بڑھے جب ایک قدم بھی اس کی طرف بڑھنا گوناگوں مزاحمتوں کا مقابلہ کیے بغیر ممکن نہ تھا اور جو اس وقت نبی کی حمایت و مدافعت کے لیے اٹھے جب اس کی حمایت و مدافعت تمام احمر و اسود سے لڑائی مول لینے کے ہم معنی تھی۔

اسلامی معاشرہ میں دوسرے درجہ کے لوگ

دوسرے درجے پر وہ لوگ ہیں جو اگرچہ اولیت و اسبقیت کا درجہ تو حاصل نہ کر سکے تاہم انھوں نے پورے اخلاص اور پوری راست بازی سے سابقین اولین کے نقش قدم کی پیروی کی۔ اس پیروی میں انھوں نے کسی نمائش، کسی مصلحت، کسی غرض یا کسی نوع کے تذبذب، اور نفاق کو دخیل نہیں ہونے دیا، ایک مرتبہ بڑھ کر انھوں نے پیچھے مڑنے کا نام نہیں لیا۔ جن سے کٹنا تھا ان کر کاٹا تو اس طرح کہ کوئی تسمہ لگا نہیں رہنے دیا اور جن سے جڑے تو اس طرح نہیں کہ ع

منہ پھیر کر ادھر کو ادھر کو بڑھا کے ہاتھ

بلکہ اس طرح جڑے کہ ع

تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اسی خلوص و صداقت اور ظاہر و باطن کی اسی کامل ہم آہنگی اور ہم رنگی کو یہاں 'احسان' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ 'احسان' کے معنی ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ کسی کام کو کمال حسن و خوبی سے انجام دینے کے بھی ہیں۔

'رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ' کی عظیم بشارت

'رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ' یہ ان سابقین اولین کے لیے عظیم بشارت بھی ہے اور ان کی بڑی سے بڑی تعریف بھی جو اس دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو سکتی ہے۔ فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ ان سے اس لیے راضی ہوا کہ وہ اپنے بندوں سے حق کی راہ میں جو صبر و ثبات، جو عزیمت و استقامت، جو جانبازی و سرفروشی چاہتا ہے اس کا انھوں نے حق ادا کر دیا اور انھوں نے اللہ اور رسول سے جو عہد باندھا زندگی کے تمام نشیب و فراز میں، تمام مزاحمتوں اور مخالفتوں کے علی الرغم، پوری خوبی سے اس کو نبھایا۔ ان کے رب نے ان کو جو قوتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائیں ان کو انھوں نے درجۂ کمال تک پروان چڑھایا اور ان کو اپنے رب ہی کی رضا طلبی میں صرف کیا۔ شیطان کو ان میں ساجھی بننے کا، اپنے امکان کے حد تک کوئی موقع نہیں دیا۔

'نفس مطمئنہ' کا مطلب

اللہ سے ان کے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اس کو ہر رنگ میں انھوں نے اس کے عدل، اس کی حکمت اور اس کی رحمت پر محمول کیا۔ ان کو اگر کوئی افتاد پیش آئی تو اس کو انھوں نے اپنی کسی خامی کا علاج سمجھا، کوئی مشکل پیش آئی تو اس کو صبر و عزیمت کا امتحان جانا، سکھ ملا تو دل و جان سے اس کے شکر گزار ہوئے۔ دکھ ملا تو صابر و مطمئن رہے۔ کسی حال میں بھی اپنی امید کے چراغ کو انھوں نے گل نہیں ہونے دیا۔ طوفان اٹھے، بجلیاں چمکیں بلکہ کبھی کبھی برق خرمن سوز سارے خرمن کو جلا کر خاکستر بھی کر گئی لیکن ان کے نفس مطمئنہ کو کوئی چیز بھی ہلا نہ سکی وہ بدستور 'رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً' کی چٹان پر جما رہا اور بالآخر اس نے 'فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ' کی ابدی بشارت حاصل کی۔

اصل کامیابی

'وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ' یہ صلہ بیان ہوا ہے اس رضا و اطمینان پر فائز ہونے کا۔ فرمایا، اصل کامیابی یہ ہے، جس کو بازی کھیلنی ہو اس کے لیے بازی کھیلے۔ اس چند روزہ دنیا کے پیچھے، جس کی ہر چیز فانی ہے۔ زندگی برباد کرنا اپنے آپ کو ابدی خسران و نامرادی کے حوالہ کرنا ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫
لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ (۱۰۱)

منافقین کی نشان دہی

یہ منافقین کی نشان دہی ہے۔ فرمایا کہ بدؤوں میں بھی بہت سے منافق ہیں اور اسی طرح اہل مدینہ میں بھی ایک گروہ منافقوں کا ہے۔ یہ لوگ محض اپنے اغراض و مفاد کے لیے مسلمانوں میں گھسے

ہوئے ہیں اور نفاق میں یہ اتنے منجھے ہوئے ہیں کہ تمھارے لیے ان کا پہچاننا مشکل ہے۔ اللہ ہی ان سب سے واقف ہے مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ، مَرَنَ وَاسْتَمَرَّ عَلَیْہِ یعنی یہ نفاق میں نہایت شاطر، مشاق اور پختہ کار ہو گئے ہیں اور اس مہارت سے انھوں نے اپنے اوپر اسلام کا نمائشی رنگ چڑھایا ہے کہ مسلمانوں کو بڑی کامیابی سے دھوکا دے دیتے ہیں لَا تَعْلَمُھُمْ ط نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ۔ میں مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے اور ان منافقین کو بھی۔ مسلمانوں کو تنبیہ یہ ہے کہ ان کے معاملے میں بڑی زیرکی و ہوشیاری سے کام لو اور برابر چوکنے رہو، یہ ایسا بھگل بناتے ہیں کہ ہر شخص ان کو تاڑ نہیں سکتا۔ منافقین کو یہ تنبیہ ہے کہ خواہ تم کیسا ہی بھگل بناؤ، دوسرے تمھیں پہچاننے میں دھوکا کھا سکتے ہیں، لیکن اللہ تم کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ تم میں سے ہر ایک کو کیفر کردار کو پہنچائے گا۔ سَنُعَذِّبُھُمْ مَّرَّتَیْنِ میں ایک تو اس سزا کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو ملنے والی ہے۔ دوسرے اس عذاب کی طرف جس سے یہ عالم برزخ میں دوچار ہوں گے۔ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ، یہ عذاب آخرت کی طرف اشارہ ہے جو سب سے زیادہ سخت ہو گا۔ اوپر اہل ایمان کے لیے فَوْزٌ عَظِیْمٌ کی بشارت گزری ہے۔ ان منافقین کے لیے یہ عذاب عظیم ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِھِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ط عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ
عَلَیْھِمْ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا وَصَلِّ
عَلَیْھِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ ط وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ
عِبَادِہٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَ
رَسُوْلُہٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۰۲-۱۰۵)

اپنے گناہوں کا اعتراف کر لینے والے

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِھِمْ ۔۔۔۔ الآیۃ۔ یہ ان لوگوں کا بیان ہے جو اگرچہ کمزوریوں میں مبتلا رہے تھے اور تبوک کے موقع پر بھی ان سے کمزوری صادر ہو گئی تھی لیکن ایمان کی رمق ان کے اندر باقی تھی۔ جب اس سورہ نے منافقین کو اچھی طرح جھنجھوڑا اور ان کے علم میں یہ باتیں آئیں تو ان کی آنکھیں کھل گئیں، انھوں نے باتیں بنانے کی کوشش کے بجائے صدق دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور نہایت بے چینی کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ اور رسول کے آگے ڈال دیا۔ روایات میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ تک کیا کہ اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا کہ نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے اور نہ اس وقت تک یہاں سے ٹلیں گے جب تک اللہ و رسول کی طرف سے معافی نہ ملے۔ بسا اوقات اپنے گناہوں پر بندے کی شرمساری اور توبہ کے لیے سچی بے قراری اللہ تعالیٰ کو اس کی نیکی سے بھی زیادہ پسند آتی ہے چنانچہ ان کا اعتراف گناہ اللہ تعالیٰ کو پسند آیا اور جیسا کہ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْھِمْ کے الفاظ سے واضح ہے ان کو قبولیت توبہ کی امید دلا دی گئی۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ جب قرآن دنیا میں آیا ہے تو اس

کے الفاظ و کلمات کا دلوں پر کیا اثر پڑتا تھا اور اب ہمارے دلوں پر اس کی تاثیر کا کیا حال ہے؟ قرآن وہی ہے اور نفاق کی بھی بدتر سے بدتر قسمیں ہمارے اندر موجود ہیں لیکن قلوب وہ نہیں ہیں جو قرآن کی آیتیں پڑھ کر یہ اثر لیں کہ لپنے اوپر خواب و خور حرام کرلیں۔ اس زمانے میں اپنی تنخواہوں میں چند روپے کے اضافہ کے لیے فاقہ کرنے والے بہتیرے مل جائیں گے لیکن اپنے گناہوں کے غم میں اپنی ایک رات کی نیند بھی قربان کرنے والے شاید کم ہی ملیں۔

نیکیوں کی برکت

'خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا' جو چیز ان کے حق میں سفارش بنی ہے، یہ اس کا بیان ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ نفاق ہی پر نہیں پلے اور بڑھے بلکہ بدلوں کے ساتھ انھوں نے نیکیاں بھی کمائی ہیں، نیکی کی راہ پر چلتے چلتے انھوں نے ٹھوکریں بھی کھائیں لیکن اس طرح نہیں کہ گر کر پھر اٹھنے کا نام ہی نہ لیا ہو، بلکہ گرنے کے بعد اٹھتے اور سنبھلتے بھی رہے ہیں۔ یہی چیز ان کے لیے اعتراف گناہ اور توبہ کا باعث ہوئی ہے اس وجہ سے یہ نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں بلکہ اللہ کی نظر عنایت کے سزاوار ہیں۔

قبولیتِ توبہ کی مشروط بشارت

'عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْہِمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ' یہ ان کے لیے قبولیت توبہ اور رحمت کی بشارت ہے لیکن اسلوب بیان قطعی وعدے کا نہیں بلکہ لفظ 'عَسٰی' ظاہر کر رہا ہے کہ یہ بشارت مشروط ہے۔ چنانچہ آگے والی آیت میں اس شرط کی طرف اشارہ بھی فرما دیا ہے۔ 'وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ...... الاٰیۃ' یعنی ان سے کہہ دو کہ اب تم اپنے عمل سے ثابت کرو کہ تم اپنی توبہ میں راسخ ہو، اللہ اور رسولؐ اور اہلِ ایمان تمھارے رویہ کو دیکھیں گے اور اسی رویہ پر تمھارے باب میں آخری فیصلہ کا انحصار ہے۔ اس سے یہ بات نکلی کہ بروقت تو ان لوگوں کو معافی دے دی گئی لیکن اس شرط پر کہ وہ اپنے رویہ کو آیندہ زیادہ سے زیادہ اللہ اور رسولؐ اور اہل ایمان کی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔ یہ گویا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان پر احتساب ابھی قائم رہے گا تا آنکہ یہ اپنے عمل سے اپنے آپ کو پورے اعتماد کے لائق ثابت کر دیں۔

صدقہ ذریعۂ تزکیہ ہے

'خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمْ وَتُزَکِّیْہِمْ بِہَا وَصَلِّ عَلَیْہِمْ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّہُمْ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ' پیچھے آیات ۵۳-۵۴ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس مرحلہ میں آکر منافقین کے صدقات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل بے پروائی برتنے کی ہدایت فرما دی گئی تھی چنانچہ بعض کے صدقات آپ رد بھی فرما دیتے تھے۔ اسی طرح آیت ۸۴ میں آپ کو ان کے لیے دعا و استغفار سے بھی منع فرما دیا گیا تھا۔ لیکن جن لوگوں کو معافی دے دی گئی ان کے ساتھ ہی برکت و رحمت کے یہ دونوں دروازے بھی کھول دیے گئے، فرمایا کہ 'خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمْ وَتُزَکِّیْہِمْ بِہَا وَصَلِّ عَلَیْہِمْ' ان لوگوں کے پیش کردہ صدقات قبول کر لیا کرو اس لیے کہ اسی سے تم ان کو رذائل سے پاک اور فضائل

سے آراستہ کرو گے اور ان کے لیے دعا بھی کرتے رہو اس لیے کہ تمہاری دعا ہی ہے جو ان کے لیے سرمایۂ سکینت بنے گی۔

تطہیر اور تزکیہ کا فرق

یہاں تطہیر اور تزکیہ کے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن میں ان دونوں کے مواقع استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ تطہیر میں غالب پہلو ظاہری اور باطنی نجاستوں اور رذائل سے پاک کرنے کا ہے اور تزکیہ میں رذائل سے پاک کرنے کے ساتھ ساتھ صلاحیتوں اور خوبیوں کو نشوونما دینے اور فضائل اخلاق سے آراستہ کرنے کا مفہوم بھی شامل ہے۔

مرض نفاق کا مؤثر علاج۔ انفاق

اس ٹکڑے سے ایک حقیقت تو یہ واضح ہوئی کہ نفاق کی بیماری کا سب سے زیادہ مؤثر علاج اللہ کی راہ میں انفاق ہے۔ یہ بیماری اصلاً محبت دنیا سے پیدا ہوتی ہے جو ان تمام رذائل کے پیدا ہونے کا سبب ہے جن کے مجموعے کا نام نفاق ہے۔ انفاق سے اس بیماری کی جڑ کٹتی ہے اور جب اس کی جڑ کٹ جاتی ہے تو ایک طرف رذائل مضمحل ہو جاتے ہیں دوسری طرف مکارم و فضائل پروان چڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

انفاق کا اصلی فائدہ انفاق کرنے والے کو ہوتا ہے

دوسری حقیقت یہ واضح ہوئی کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ اللہ اور رسول پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ اصل احسان اللہ اور رسول کا ہے کہ ان کے انفاق کو قبول فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ اس سے جو تطہیر و تزکیہ حاصل ہوتا ہے اس کے محتاج اللہ اور رسول نہیں ہیں بلکہ وہی لوگ ہیں جن کو انفاق کی دعوت دی جاتی ہے۔

معافی یافتہ لوگوں کے ساتھ مزید رعایت

'صَلِّ عَلَيْهِمْ' میں عام دعا و استغفار کے ساتھ ساتھ نماز جنازہ بھی شامل ہے۔ منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی جو ممانعت آیت ۸۴ میں وارد ہے، ان معافی یافتہ لوگوں کے باب وہ ممانعت اٹھا دی گئی۔

تسلی اور تنبیہ

'وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ' میں تسلی بھی ہے اور تنبیہ بھی۔ اس کی وضاحت ایک سے زیادہ مواقع میں ہو چکی ہے۔

توبہ اور انفاق کی ترغیب

'اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ ..... الاية' اوپر والی آیت میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ آپ کو یہ ہدایت فرمائی گئی تھی کہ جب انھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے تو ان کو اپنی تربیت میں از سر نو لے لو، ساتھ ہی جو چیز ان کی تربیت و اصلاح میں سب سے زیادہ مؤثر ہو سکتی تھی اس کی طرف بھی رہنمائی فرما دی۔ اس آیت میں خود ان لوگوں کو توبہ اور انفاق میں سرگرم ہونے پر ابھارا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ اور ان کے صدقات قبول فرماتا ہے، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، تو جو خدا کی رضا اور قرب کے طالب ہوں انھیں چاہیے کہ وہ خدا کی پسند کے یہ کام زیادہ سے زیادہ کریں۔ اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ توبہ اور اصلاح کا کام کوئی وقتی کام نہیں ہے

بلکہ اس میں دوام اور استمرار مطلوب ہے۔

آئندہ کے لیے تنبیہ — وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ۔ یہ ان لوگوں کو تنبیہ ہے کہ ہر چند اس وقت تمھیں معافی دے دی گئی ہے لیکن اس معافی پر مطمئن نہ ہو بیٹھنا بلکہ آئندہ اپنے عمل سے ثابت کرو کہ تم سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے ہو۔ اللہ اور رسول اور اہلِ ایمان سب تمھارے رویہ پر نگاہ رکھیں گے۔ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، اگر تم رسول اور مومنین سے اپنی کوئی حرکت چھپا رکھنے میں کامیاب بھی ہوگئے تو یاد رکھو کہ ایک دن تمھیں سارے غائب و حاضر کے علم رکھنے والے خدا کے سامنے بھی حاضر ہونا ہے، وہ تمھارا سارا کچا چٹھا تمھارے آگے رکھ دے گا۔

بے داغ ماضی رکھنے والے بعض لوگوں پر عتاب — وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللّٰهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۱۰۶)

'ارجاء' کے معنی کسی معاملے کو مؤخر اور ملتوی کرنے کے ہیں۔

بعض لوگوں نے اگرچہ اپنے گناہ کا نہایت سچائی سے اعتراف کر لیا تھا لیکن ان کو اس وقت معافی نہیں ملی بلکہ ان کے معاملے کا فیصلہ آئندہ پر اٹھا رکھا گیا۔ آگے آیت ۱۱۸ میں ان کا حوالہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین آدمی تھے۔ روایات میں ان کے نام کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع مذکور ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ حضرات نفاق میں متہم نہیں تھے بلکہ اسلام کے لیے قربانیاں پیش کرنے والے لوگوں میں سے تھے، پچھلے غزوات میں بھی شریک رہ چکے تھے، لیکن تبوک کے موقع پر ان سے کمزوری صادر ہوگئی اور بعض خاص وجوہ کی بنا پر، جن کی طرف ہم اشارہ کریں گے، دوسروں کے مقابل میں ان پر زیادہ سخت گرفت ہوئی۔ فرمایا کہ ان کا معاملہ خدا کے فیصلہ تک ملتوی کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کو سزا دے گا۔ چاہے گا تو ان کی توبہ قبول فرمائے گا، اللہ علیم و حکیم ہے۔ ان کے باب میں اس کے علم و حکمت کا جو تقاضا ہوگا وہ اس کے مطابق فیصلہ نافذ فرمائے گا۔

شدتِ عتاب کے وجوہ

عتاب بقدر اعتماد

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر جب کہ بظاہر ان کا ماضی بے داغ بھی تھا، اس قدر عتاب کیوں ہوا؟ ہمارے نزدیک اس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔

احساس کی کمی

ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کسی پر عتاب اس نسبت سے ہوتا ہے جس نسبت سے اس پر اعتماد اور اس سے حسنِ ظن ہوتا ہے۔ دوسروں نے اگر غلطی کی تو ان کی کمزوریوں کی بنا پر ان سے بعید نہیں تھی لیکن ان لوگوں نے جو غلطی کی اس سے اپنے پچھلے بے داغ ریکارڈ کو بھی انھوں نے داغدار کیا اور پیغمبر کے اس اعتماد اور حسنِ ظن کو بھی ٹھیس پہنچائی جو ہر مومن کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں نے غالباً اس اعتماد کی بنا پر جو انھیں اپنی سابق خدمات پر رہا ہوگا، اپنی اس غلطی کا اس شدت کے ساتھ احساس بھی نہیں کیا جس شدت کے ساتھ انھیں اس کا احساس کرنا تھا چنانچہ آگے والی آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اپنی کسی غلطی پر احساسِ ندامت کی

کمی توبہ کی اصل روح کے منافی ہے اس وجہ سے حکمت تربیت مقتضی ہوئی کہ ان کی توبہ کی قبولیت اتنے عرصہ تک ملتوی رہے جب تک ان کے اندر وہ بے قراری اور دل کی وہ خستگی و شکستگی نہ پیدا ہو جائے جو توبہ کی قبولیت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں سفارشی بنتی ہے۔

منافقانہ ذہنیت پر آخری ضرب

تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس مرحلہ میں، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں، منافقانہ ذہنیت پر آخری ضرب لگائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پسند فرمایا کہ نفاق کے خلاف مسلمانوں کی حس اتنی بیدار ہو جائے کہ وہ اس کی کسی قسم کو بھی اپنے اندر گوارا کرنے پر راضی نہ ہوں۔ اس مقصد کے لیے ایسے لوگوں پر گرفت سب سے زیادہ مؤثر ہو سکتی تھی جو اپنی اس غلطی سے پہلے معاشرہ کے بے داغ لوگوں میں شمار ہوتے رہے ہوں۔ اس واقعہ نے منافقین کی آنکھیں بھی کھول دی ہوں گی کہ جب اس قسم کے لوگوں پر ایسی گرفت ہو سکتی ہے تو تا بہ دیگراں چہ رسد۔ اور دوسرے مسلمانوں نے بھی اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ دین میں اصل معیار مطلوب کیا ہے جس کی کسوٹی پہ کسے جانے کے لیے ہر مسلمان کو تیار رہنا چاہیے۔

"وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ" (۱۰۷-۱۰۸)

منافقین کا سب سے زیادہ شریر گروہ

یہ منافقین کے سب سے زیادہ شریر گروہ کا ذکر ہے۔ ان لوگوں کی جس شرارت کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ مدینہ میں دو مسجدیں پہلے سے موجود تھیں، ایک مضافات شہر میں مسجد قبا، دوسری شہر کے اندر، مسجد نبوی۔ لیکن انھوں نے اپنے مفسدانہ اغراض کے لیے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی ایک الگ مسجد بنائی۔ مقصود تو ان کا یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں وہ کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے ایک اڈا مہیا کریں لیکن اس کو نام مسجد کا دیا تاکہ اس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر اپنی دینداری کی دھونس بھی جمائیں اور اپنے مقاصد بھی پورے کر سکیں۔ اس کو مسلمانوں کی نظروں میں مقبول اور مقدس بنانے کے لیے انھوں نے یہ کوشش بھی کی کہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھ دیں تاکہ اس کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں وہی احترام حاصل ہو جائے جو مسجد قبا کو حاصل ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اغراض مشئومہ بھانپ کر پہلے تو ان کو ٹال دیا پھر جب اس کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہو گئیں تو اس میں نماز پڑھنا تو الگ رہا آپ نے تبوک سے واپسی پر اس کو گروا بھی دیا۔

مسجد ضرار کی تعمیر کے مقاصد فاسدہ

اس نام نہاد مسجد کی تعمیر جن اغراض فاسدہ کے لیے ہوئی تھی قرآن نے ان سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس کی پہلی غرض یہ بتائی ہے کہ یہ ضرار کے لیے بنائی گئی ہے۔ یعنی اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے۔ مسجد، اقامت نماز اور اقامت دین کا مرکز ہوتی ہے۔ لیکن یہ دام ہم رنگ مسجد اس لیے

بچھایا گیا تھا کہ مسلمان اس میں پھنسیں اور پھر ان کے اندر آہستہ آہستہ نفاق کا زہر اتارا جائے۔

دوسرا مقصد اس کا کُفۡرًا بتایا ہے۔ یعنی جو کفر ان کے اندر رچا بسا ہوا تھا اس کی پرورش اور اس کی تائید و تقویت کے لیے ایک پرورش گاہ بنائی گئی تھی۔ مسجد ایمان کی تربیت گاہ ہوتی ہے لیکن یہ نام نہاد مسجد اس کے بالکل برعکس کفر کی خدمت کے لیے تعمیر کی گئی۔

تیسرا مقصد اس کا تَفۡرِيۡقًا بَيۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ بتایا ہے یعنی یہ اس غرض سے بنائی گئی کہ مسلمانوں کے شیرازے کو پراگندہ کیا جائے۔ اسلام میں مسجد ہی ہے جو مسلمانوں کو ایک سلک میں پروتی اور ان کی اجتماعی زندگی میں وحدت و تالیف پیدا کرتی ہے۔ ان منافقین نے یہ چاہا کہ ایک مسجد بنا کر پہلے مسلمانوں کو اس کی طرف کھینچیں اور پھر اپنی وسوسہ اندازیوں سے ان کو ملت سے کاٹ دیں۔

چوتھا مقصد اس کا اِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ مِنۡ قَبۡلُ بتایا گیا ہے۔ یعنی یہ ان لوگوں کے لیے ایک کمین گاہ کا کام دے جو اللہ اور رسول سے برسرِ پیکار رہ چکے ہیں۔ ان منافقین کے متعلق یہ بات پیچھے واضح ہو چکی ہے کہ ان کی تمام ہمدردیاں اسلام سے برسرِ پیکار طاقتوں کے ساتھ تھیں۔ یہ رات دن انہی کی کامیابی کے متمنی اور مسلمانوں کے اندر انہی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اس مرحلے میں آکر انھوں نے یہ سوچا کہ مسجد کے نام سے اپنا ایک اڈا بھی بنا لیں تاکہ ان کی معاندانہ سرگرمیوں پر پردہ بھی پڑا رہے اور اس پردے میں وہ مسلمانوں کے عین مستقر میں اسلام کے دشمنوں کے لیے ایک کمین گاہ بھی فراہم کر دیں۔

منافقین کی جھوٹی قسمیں

وَلَيَحۡلِفُنَّ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّا الۡحُسۡنٰى وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ، یعنی اس نام نہاد مسجد کی تعمیر سے مقاصد تو وہ پیش نظر ہیں جو مذکور ہوئے لیکن یہ منافقین تمھیں قسمیں کھا کھا کے اطمینان دلانے کی کوشش کریں گے کہ یہ کام انھوں نے محض اسلام اور مسلمانوں کی بہبود پیش نظر رکھ کر کیا ہے کہ عبادت کے لیے ایک مسجد کا اضافہ ہو جائے، اللہ کے ذکر اور اس کی بندگی کا ایک گھر تعمیر ہو جائے، جو مسلمان اندھیری راتوں یا سردی اور بارش میں، مسجد قبا کی دوری کے سبب سے، جماعت کی حاضری سے محروم رہ جاتے ہیں، ثواب جماعت سے محروم نہ رہیں۔ فرمایا کہ یہ قسمیں کھا کھا کے تمھیں یقین دلائیں گے لیکن اللہ بھی قسم کھاتا ہے کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں۔ ہم دوسرے مقام میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ کے الفاظ قسم کے مفہوم میں آتے ہیں۔

حذف خبر کی ایک مثال

اس آیت سے متعلق ایک شبہ بھی ہے کہ اس میں خبر مذکور نہیں ہے۔ مفسرین نے عام طور پر تاویل یہ کی ہے کہ اوپر جن منافقین کا ذکر ہوا ہے انھیں منافقین کے زمرے میں یہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے مسجد ضرار بنائی لیکن اس بات سے صرف حرف عطف کی توجیہ سامنے آتی ہے خبر کا مسئلہ اس سے حل نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک یہاں خبر محذوف ہے۔ عربی زبان میں بعض اوقات شدت غضب کے مواقع میں خبر محذوف

ہو جاتی ہے گویا متکلم کی شدت لہجہ خود خبر کی قائم مقام بن جاتی ہے۔ اس کی نہایت عمدہ مثالیں انشاء اللہ آخری گروپ کی سورتوں کی تفسیر میں آئیں گی۔

منافقین کی سازش کی ناکامی

'لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۔۔۔۔ الاٰیۃ' منافقین نے یہ فتنہ کھڑا کرنے کو تو کھڑا کر لیا لیکن اس کی کامیابی کا انحصار اس امر پر تھا کہ اس کے افتتاح کے لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لانے میں کامیاب ہو جاتے لیکن اس کوشش میں، جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں، وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ پہلے تو حضورؐ نے ان کی بات ٹال دی، بعد میں سفر تبوک کے دوران ہی میں یہ آیتیں اتریں جن سے ان کی سازش بے نقاب ہو گئی اور آپ کو اس نام نہاد مسجد میں نماز تو در کنار کھڑے ہونے سے بھی سے روک دیا گیا۔ اگرچہ شدت لہجہ کا رخ حضورؐ کی طرف نہیں بلکہ بالواسطہ منافقین کی طرف ہے۔

مسجد قبا اور اس کے نمازیوں کی تعریف

'لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى' سے مراد، قرینہ دلیل ہے، مسجد قبا ہے۔ اس لیے کہ مسجد ضرار اسی کے توڑ پر بنائی گئی تھی۔ منافقین نے تو اس کا توڑ کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اس تعریف سے اس کو اور اس کے نمازیوں کو زندہ جاوید بنا دیا۔ فرمایا کہ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے تمہارے قیام کی اصلی حق دار وہ ہے۔ نہ کہ وہ جس کی بنیاد ضرار، کفر، تفریق ملت اور سازش پر رکھی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس کے نمازیوں کی تعریف فرمائی کہ وہ ظاہر و باطن کی پاکیزگی کو عزیز رکھتے ہیں اور اللہ ایسے ہی پاکیزہ لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں مسجد قبا کے نمازیوں کی تعریف کے ساتھ مسجد ضرار کے مفسدین پر تعریض بھی ہے کہ ان کا ظاہر و باطن دونوں گندا ہے اور جب اللہ کے نزدیک وہ مبغوض ہیں تو تمہارا ان سے اور ان کی اس نام نہاد مسجد سے کیا تعلق۔

'اَفْعَلُ' کا مخصوص استعمال

یہاں 'اَحَقُّ' کا لفظ ہے جس سے گمان ترجیح و تفضیل کی طرف جاتا ہے لیکن کلام عرب اور قرآن میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ 'اَفْعَلُ' بعض مرتبہ نسبت اور تقابل سے مجرد ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ کسی موزوں مقام پر ہم اس کی مثالیں پیش کریں گے۔

مسجد کی بنیاد تقویٰ پر ہوتی ہے

اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ مسجد کی بنیاد در اصل زمین پر نہیں بلکہ بانیوں کے دلوں پر قائم ہوتی ہے۔ اگر بانیوں کے دلوں میں تقویٰ ہو اور وہ اس تقویٰ پر مسجد کی بنیاد رکھیں تب تو وہ مسجد ہے۔ اگر دلوں میں شر و فساد ہو تو وہ مسجد نہیں بلکہ بت خانہ ہے جو اپنے بانیوں اور پجاریوں سمیت، جیسا کہ آگے کی آیت سے واضح ہو گا، ایک دن جہنم میں جا گرے گا۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۱۰۹)

'شفا' کا مفہوم

'جُرُفٌ' کا مفہوم

'شَفَا' کسی چیز کے کنارے اور اس کی دھار کو کہتے ہیں۔

'جُرُفٌ' ندیوں، نالوں اور وادیوں میں دیکھا ہو گا کہ بعض اوقات پانی کا زور کسی کنارے کے نیچے

سے مٹی بہا لے جاتا ہے، اور چھجے کی طرح صرف کنارہ لٹکا رہ جاتا ہے۔ اس طرح کی کھوکھلی اور بے ثبات گگر کو عربی میں جُرُف کہتے ہیں۔

هَارَ هَارٌ، يَهُوْرُ، هُوْرًا سے ہے۔ هَارَ الْبِنَاءُ کے معنی عمارت پھٹ کر مائل بہ سقوط ہے۔ اسم فاعل هَائِرٌ بھی آتا ہے اور قلب ہو کر هَارٍ بھی آتا ہے جس طرح شائِكُ السِّلَاحِ اور شَاكِي السِّلَاحِ دونوں آتا ہے۔

یہ تمثیل بیان ہوئی ہے ان لوگوں کی جو اپنے عمل کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی کے بجائے کسی غرض فاسد پر رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص اپنی عمارت ایک کھوکھلی، گرتی ہوئی گگر پر بنائے جو بالآخر اس کے سمیت جہنم میں جا گرے۔ ثبات و قرار اور اخروی فوز و فلاح صرف اسی عمل کے حصہ میں ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لیے اللہ کے احکام کے مطابق کیا جائے۔

غرض فاسد پر مبنی عمل کی تمثیل

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ، ہدایت یہاں غایت و مقصود کی ہدایت کے معنی میں ہے یعنی اپنی جانوں پر اس طرح ظلم کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بامراد و فائز المرام نہیں کرے گا۔ یہ نامراد ہی رہیں گے۔

ہدایت کا مفہوم

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۱۱۰)

یعنی یہ نام نہاد مسجد بنا کر ان منافقین نے اپنے اندر نفاق کی جڑ اتنی مستحکم کر دی ہے کہ اب یہ ان کے دلوں کے ساتھ ہے۔ ان کا نفاق اس طرح ایک ایک رگ میں جڑ جما چکا ہے کہ اب اس کو اکھاڑنا دلوں کے پاش پاش ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ جس طرح ہم اپنے محاورے میں کہتے ہیں یہ داغ تو اب کپڑے کے ساتھ ہی جائے گا، اسی طرح اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ تعلیق بالمحال کا ایک خوب صورت پیرایۂ بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل عمل کے اثرات و نتائج میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یوں تو نفاق کا ہر عمل اپنے اندر زہریلے اثرات رکھتا ہے لیکن مسجد ضرار جیسا فتنہ کھڑا کر دینا ایک ایسا عمل ہے جس کے نتائج و اثرات سے جان چھڑانے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ یہ رگ و ریشے میں جاری و ساری ہو جاتا ہے۔

دلوں کے ساتھ چمٹ جانے والا روگ

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۱۱)

اب یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے اس بیعت کی جو نبی کے ہاتھ پر کی جاتی ہے اور جس میں ہر مسلمان ' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ' کا اقرار کر کے شامل ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار سے یہاں مقصود اس بیعت کے مقتضیات کو ہر مسلمان کے سامنے رکھ دینا ہے تاکہ ہر شخص اس کی روشنی میں خود فیصلہ کر سکے کہ اس عہد کے تقاضے کیا ہیں اور کون سا رویہ اس کے منافی ہے جو نفاق اور کفر میں داخل ہے۔

نبی کے ہاتھ پر بیعت کے مقتضیات

اللہ اور اہل ایمان کے مابین بیع و شرا کا معاہدہ

فرمایا کہ یہ بیعت اللہ اور اہل ایمان کے درمیان بیع و شرا کا ایک معاہدہ ہے جس میں اہل ایمان اپنے مال اور اپنی جان اللہ کے حوالے کرنے کا اقرار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں ان کے لیے جنت کا وعدہ فرماتا ہے۔ ہم دوسرے مقام میں یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ انسان کو سب سے بڑا شرف جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہونے کے باوجود یہ درجہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بیع و شرا کا ایک معاہدہ کرتا ہے جس میں وہ اپنے اوپر بھی اسی طرح کی ایک ذمہ داری لیتا ہے جس طرح بندوں پر ایک ذمہ داری ڈالتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا یہ شرف مبنی ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص دائرے کے اندر اس کو اختیار بخشا ہے اور یہ چاہا ہے کہ انسان اپنی مرضی سے اپنے مال و جان پر اللہ کے حق کو تسلیم کرے اور پھر اس کے عوض میں جنت کا ابدی مقام حاصل کرے۔

جان اور مال دونوں سے جہاد

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۔ یعنی اس معاہدۂ بیع و شرا کے بعد کوئی راست باز مسلمان اپنے مال یا اپنی جان کو خدا سے چرانے کا روادار نہیں ہو سکتا چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں مال اور جان دونوں سے جہاد کرتے ہیں اور اس راہ میں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ اگر مارتے ہیں تو غازی اور مجاہد کا درجہ حاصل کرتے ہیں اور مرتے ہیں تو شہید کا مقام پاتے ہیں۔

قربانی کے عوض جنت کا وعدہ

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۔ یعنی جان و مال کی قربانی کے عوض جنت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کر رکھا ہے اور اس کا اظہار و اقرار تورات، انجیل اور قرآن سب میں ہے۔ یہ تمام آسمانی مذاہب اور خدائی صحیفوں کی ایک مسلمہ اور مشترکہ حقیقت ہے۔ مثلاً تورات میں ہے۔

> "سن اے اسرائیل، خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ۔" استثنا ۶: ۴-۵

انجیل میں ہے:۔

> "جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔" متی ۱۹: ۲۹

انجیلوں میں جنت کی تعبیر بالعموم آسمانی بادشاہت سے کی گئی ہے۔ تورات میں یہود نے حرص دنیا کے سبب سے تمام اخروی انعامات کو دنیوی انعامات سے بدل لیا ہے تاہم انبیاء کی تعلیمات میں بکثرت ابدی زندگی کے ابدی انعامات کا ذکر موجود ہے۔

حیات چند روزہ کے بدلے ابدی زندگی کی بادشاہی

وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔ یہ ابھارا گیا ہے اللہ کی راہ میں بے خوف و خطر جان و مال کی قربانیاں پیش کرنے پر۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے تو جو سودا تم اس کے ساتھ کر چکے ہو اس پر تمہیں باغ باغ ہونا چاہیے۔ خدا کے ہاتھ جو بیع چکے ہو وہ اس کی طلب پر اس کے حوالے کرو اور جو کچھ اس کے عوض میں تمہیں

ملتا ہے اس کے لیے تیار رہو۔ اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ خدا کی جنت بڑی چیز ہے، یہ کوئی خسارے کا سودا نہیں ہے بلکہ چند روزہ حیات کے بدلے ابدی زندگی کی بادشاہی ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۱۲)

سچے اہلِ ایمان کی صفات

اوپر آیت ۲۰ میں جس طرح خبر محذوف ہے اسی طرح اس آیت میں بھی محذوف ہے۔ زجاج کی رائے یہی ہے اور یہ رائے مجھے قوی معلوم ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ زورِ کلام خبر کو خود ظاہر کر دیتا ہے اگرچہ وہ لفظوں میں ظاہر نہیں ہوتی۔ یہاں موقع کلام یہ ظاہر کرتا ہے کہ جن کی صفات یہ یہ ہیں وہی لوگ سچے مومن ہیں، ان مومنین کو خوش خبری پہنچا دو۔

سیاحت کا مفہوم

اس آیت میں جو الفاظ آئے ہیں 'سَآئِحُوْنَ' کے سوا ان میں سے ہر لفظ کی تحقیق اپنے اپنے محل میں بیان ہو چکی ہے 'سَآئِحُوْنَ' کے ترجمے میں مجھے بڑی مشکل پیش آئی ہے۔ 'سَاحَ يَسِيْحُ' کے معروف معنی تو زمین پر چلنے پھرنے کے ہیں چنانچہ اسی سورہ کی دوسری ہی آیت میں 'فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ' آیا ہے۔ لیکن یہاں جس سیاق و سباق میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لغوی سیاحت کے مفہوم میں نہیں بلکہ اصطلاحی سیاحت کے مفہوم میں آیا ہے۔ لفظ 'سیاحت' قدیم زمانے سے اہلِ دین کی ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم صاحب لسان نے یوں ادا کیا ہے 'اَلذَّهَابُ فِي الْاَرْضِ لِلْعِبَادَةِ وَالتَّرَهُّبِ' عبادت و ریاضت کے لیے کسی سمت کو نکل کھڑے ہونا۔ اسلام سے پہلے اکثر مذاہب میں عبادت کے پہلو سے اس بات کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے کہ آدمی گھر در، بیوی بچوں اور دنیا کے ہنگاموں سے الگ ہو کر جنگلوں، پہاڑوں اور سنسان جگہوں میں نکل جائے، اپنا سارا وقت دھیان گیان، ذکر و عبادت، چلہ کشی اور ریاضت میں گزارے۔ قوت لایموت پر قناعت کرے، بھوک پیاس ستائے تو جنگل کے پھل پھلاری اور ندیوں چشموں کے پانی پر گزارہ کرے۔ عیسائیوں کے راہبوں، گوتم بدھ کے بھکشوؤں اور ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کا محبوب طریقۂ عبادت یہی رہا ہے۔ یہ لوگ اگر خلق کی طرف متوجہ بھی ہوتے تھے تو اس طرح کہ صبح کسی بستی میں اور شام کسی بستی میں۔ جہاں پہنچے نیکی اور پرہیزگاری کے چند کلمے لوگوں کے کانوں میں ڈالے اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ اسی درویشانہ اور راہبانہ زندگی کے لیے قدیم اصطلاح سیاحت کی ہے۔

اسلام میں سیاحت کی حدود

اس سیاحت کا جتنا حصہ رہبانیت کے حکم میں داخل ہے وہ تو اسلام میں ممنوع ہے اس لیے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور رہبانیت فطرت کے خلاف ہے لیکن اس کا جو حصہ زہد و توکل، ذکر و فکر، خلوت و تبتل، ریاضت و مجاہدہ، جستجوئے حقیقت، طلبِ علم اور دعوت الی اللہ و جہاد فی سبیل اللہ سے تعلق رکھتا ہے وہ اسلام میں بھی مطلوب و مطبوع ہے اور اس کو اسلام نے روزہ، اعتکاف، عمرہ، حج اور جہاد میں سمو دیا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے ہاں سیاحت کے باب میں نفی اور اثبات دونوں طرح کی باتیں ملتی ہیں۔ ایک طرف یہ ارشاد ملتا ہے

کہ لَا سَیَاحَۃَ فِی الْاِسْلَامِ (اسلام میں سیاحت نہیں ہے) دوسری طرف یہ چیز بھی ملتی ہے کہ سیاحۃ ھٰذہ الامۃ الصیام ولزوم المساجد (اس امت کے لیے سیاحت روزے اور مسجدوں کے ساتھ وابستگی ہے۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاحت اختیار کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا سیاحۃ امتی الجھاد فی سبیل اللہ (میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ سیاحت کا جو حصہ رہبانیت کی تعریف میں آتا ہے وہ تو اسلام نے اپنے نصاب سے خارج کر دیا ہے لیکن اصل مقصد سیاحت اسلام میں بھی باقی ہے اور روزہ، اعتکاف، ہجرت، جہاد، دعوت و تبلیغ اور طلب علم و حصول تربیت کے لیے سفر، یہ سب چیزیں اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ یہ سیاحت جس طرح مردوں کے لیے ہے اسی طرح، جیسا کہ سورہ تحریم کے لفظ 'سَائِحَات' سے واضح ہے، عورتوں کے لیے بھی ہے۔ البتہ عورتیں ان چیزوں سے مستثنیٰ رہیں گی جن سے شریعت نے ان کو مستثنیٰ رکھا ہے مثلاً قتال وغیرہ۔

عام طور پر ہمارے مترجموں نے اس کا ترجمہ 'روزہ رکھنے والے' یا 'راہ خدا میں پھرنے والے'، یا 'بے تعلق رہنے والے' کیا ہے۔ لیکن ان ترجموں سے سیاحت کا صرف ایک ایک پہلو سامنے آتا ہے۔ درآنحالیکہ اس کے متعدد پہلو ہیں۔ میں نے 'ریاضت کرنے والے' ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ میں اس پر پوری طرح مطمئن تو نہیں ہوں لیکن میرے نزدیک یہ ترجمہ نسبتہً لفظ کی روح سے قریب تر اور اس کے کل نہیں تو اکثر اطراف کا جامع ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ۔

منافقین کے سامنے ایک آئینہ

اوپر والی آیت میں بیعت ایمان و اسلام کی حقیقت واضح فرمائی تھی۔ اس آیت میں اہل ایمان کا اصلی کردار پیش کیا جا رہا ہے اور مقصود اس سے منافقین کے سامنے ایک آئینہ رکھ دینا ہے تاکہ وہ چاہیں تو اس آئینہ کو سامنے رکھ کر اپنے کو سنوار سکیں۔

توبہ

یہاں اہل ایمان کے کردار کے جو اجزا بیان ہوئے ہیں ان میں سب سے پہلے توبہ کا ذکر ہے۔ توبہ کے معنی رجوع الی اللہ کے ہیں۔ خدا کی بندگی اور اطاعت کی راہ میں بندے کا پہلا قدم یہی ہے کہ وہ شیطانی راہوں میں ہرزہ گردی چھوڑ کر اپنے رب کی طرف لوٹتا ہے اور اس کی صراط مستقیم پر چلنے کا عزم کرتا ہے۔ پھر یہی توبہ ہے جو ہر گام پر اس کو سنبھالتی ہے۔ جب کبھی اس کا کوئی قدم راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے یہ توبہ اس کی دست گیری کرتی اور اس کو راہ پر لگاتی ہے۔

عبادت

توبہ کے بعد عبادت کا ذکر ہے۔ یہ خدا کے سب سے بڑے حق کا حوالہ ہے۔ جو بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اس پر خدا کا اولین حق اس کی عبادت کا عائد ہوتا ہے اور چونکہ خدا کے سوا کوئی اور اس حق میں ساجھی نہیں ہے اس وجہ سے اس کا بلا شرکت غیرے ہونا اس کی صفت لازمی ہے اور ساتھ ہی اطاعت بھی چونکہ اس کا بدیہی تقاضا ہے اس وجہ سے وہ بھی اس کا جزو لاینفک ہے۔

عبادت کے ساتھ حمد کا ذکر ہے جو تمام عبادات کی روح ہے اس لیے کہ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ، جیسا کہ

اپنے مقام پر واضح ہو چکا ہے، سب خدا کی شکر گزاری اور اس کی نعمتوں کے اعتراف کے مظاہر ہیں۔ اگر بندے کے اندر شکر گزاری اور اعتراف نعمت کا جذبہ بطور ایک صفت کے راسخ نہ ہو تو نہ تو وہ عبادت کا حق ادا کرنے پر آمادہ ہی ہوتا ہے اور نہ اس کی عبادت کے اندر کوئی روح ہی ہوتی ہے۔

سیاحت

اس کے بعد سیاحت کا ذکر ہے۔ اس کی وضاحت ہم اوپر کر چکے ہیں۔ یہ ان تمام سرگرمیوں، مشقتوں اور ریاضتوں کی ایک جامع تعبیر ہے جو آدمی اپنے ظاہر و باطن کی تربیت و اصلاح، دین کو سمجھنے اور سمجھانے، اس کو پھیلانے اور بڑھانے کے لیے والہانہ اور سرفروشانہ اختیار کرتا ہے اور جن کی راہ میں اپنی زندگی کی لذتیں، راحتیں، امنگیں اور خوشیاں بے دریغ قربان کرتا ہے۔

خلوت کی نمازیں

پھر نماز کا ذکر ہے جس کے لیے اَلرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ نماز کا ذکر قرآن میں جہاں جہاں اس اسلوب سے ہوا ہے۔ وہاں صرف فرض نمازیں مراد نہیں ہیں بلکہ خلوت کی نمازیں مراد ہیں۔ یہی نمازیں ان تمام چیزوں کی محافظ بھی ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے اور یہی اس ریاضت کو بھی زندگی اور نشو و نما بخشتی ہیں جو سیاحت کے لفظ سے تعبیر کی گئی۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر ہے۔ اوپر جو باتیں بیان ہوئی ہیں ان کا بیشتر تعلق فرد کی اپنی اصلاح و تربیت سے ہے۔ اب یہ ان کا تعلق قوم اور جماعت کے ساتھ واضح کیا جا رہا ہے کہ وہ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں۔ وہ دوسروں کے خیر و شر سے بے تعلق رہ کر زندگی نہیں گزارتے بلکہ دوسروں کی اصلاح و تربیت کے لیے بھی اپنے اندر تڑپ رکھتے ہیں اور اپنی طاقت و صلاحیت کے مطابق اصلاح منکر کا فرض انجام دیتے ہیں۔

حفاظت حدود الٰہی

آخر میں حفظ حدود اللہ کا ذکر ہے۔ یہ درحقیقت تقوٰی کی تعبیر ہے اور خاتمہ پر ایک ایسی صفت کا حوالہ دے دیا گیا ہے جو سب سے زیادہ جامع ہے۔ یعنی وہ زندگی کے تمام مراحل میں برابر چوکنے رہتے ہیں کہ خدا نے جو حدود قائم فرمائے ہیں ان میں سے کوئی حد ٹوٹنے نہ پائے۔ نہ وہ خود کسی حد کو توڑنے کی جسارت کرتے ہیں اور نہ اپنے امکان کی حد تک کسی دوسرے کو اس کے توڑنے کی اجازت دیتے ہیں۔

اہل ایمان کے کردار کے یہ پہلو، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہاں اس لیے بیان ہوئے ہیں کہ منافقین کے سامنے سچے اہل ایمان کی تصویر آجائے کہ مومن ان صفات کے حامل ہوتے ہیں نہ کہ ہر مدعی ایمان جو کردار و اعمال میں تو اس کے بالکل برعکس ہے لیکن اپنا نام اہل ایمان کے رجسٹر میں لکھوانا چاہتا ہے۔

۲۰- آگے کا مضمون ــــــ آیات ۱۱۳-۱۲۹

خاتمۂ سورہ

آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں۔ خطاب براہ راست مسلمانوں سے ہے۔ تمام عناصر فاسدہ سے ان کو پاک کر دینے کے بعد آخر میں یہ بعض ہدایات اور بشارتیں دی جا رہی ہیں۔

پہلی یہ ہدایت فرمائی کہ پیغمبرؐ یا اہل ایمان کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے خدا سے استغفار کریں اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لیے جو استغفار کیا، اس کا صحیح پہلو واضح فرما دیا تاکہ یہ واقعہ کسی کے لیے غلط فہمی کا سبب نہ بنے۔ اس ہدایت سے مقصود مسلمانوں کو باطل کے ہر لوث اور ہر شائبہ سے بالکل پاک کرکے صرف حق کے لیے جینے اور مرنے کے نصب العین پر قائم کرنا ہے۔ اگر حق کے سوا کسی اور حمیت کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی آدمی کے اندر باقی رہے تو یہیں سے نفاق اور کفر کی راہیں کھلتی ہیں اس وجہ سے پوری شدت کے ساتھ اس دروازے کو بند کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد ان تمام مسلمانوں کو قبولیتِ توبہ کی بشارت سنائی گئی ہے جو ان تنبیہات کے بعد، جو اس سورہ میں وارد ہوئی ہیں، اپنی کمزوریوں کی اصلاح کے لیے بے چین و بے قرار ہو گئے تھے اور توبہ و استغفار میں سرگرم تھے۔

پھر اہل مدینہ اور اعراب کے تائبین کو یہ نصیحت فرمائی کہ اپنے آپ کو ہمیشہ راست بازوں اور صداقت شعاروں کے ساتھ وابستہ رکھو تاکہ ان کی صحبت و معیت تمھاری کمزوریوں کی اصلاح کا ذریعہ بنے، نیز اس عظیم اجر کو یاد رکھو جو اللہ نے اپنی راہ کی ہر چھوٹی بڑی نیکی کے عوض دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ علاوہ ازیں خاص طور پر اہل بادیہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ ان کی جماعتیں برابر مرکز سے وابستہ رہیں تاکہ صحبتِ نبوی کی برکتوں سے وہ خود بھی مستفید ہو سکیں اور اپنی قوم کو بھی مستفید کر سکیں۔

آگے مسلمانوں کو اپنے اپنے گرد و پیش کے کفار سے جنگ کرنے اور ان کے مقابل میں سخت ہونے کی تاکید فرمائی۔ اور ان تمام تنبیہات کے بعد بھی جو لوگ ابھی نفاق کی آلودگیوں میں لتھڑے ہوئے تھے ان کے انجام کی طرف اشارہ فرمایا۔

آخر میں مسلمانوں کو خطاب کرکے یہ واضح فرمایا کہ کیسی عظیم نعمت و رحمت ہے جو اس پیغمبرؐ کی صورت میں تمھیں نصیب ہوئی ہے تو صدق دل سے اس کی قدر کرو اور اعراض کرنے والوں سے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے، کہلا دیا ہے کہ مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ میرا بھروسا اسی پر ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے ـــــ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي
قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (١١٣) وَمَا
آیات ۱۱۳ - ۱۲۹ كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا
تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (١١٤) وَمَا

كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾ لَقَدْ
تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ
الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ
عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا
حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ
اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ
لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا ١٤ ع ٨ ٣
اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ
حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا
بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ
وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ
وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا
كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ
مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ

إِذَا رَجَعُوْٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا ع ١٥ / ٤
الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۗ وَاعْلَمُوْٓا أَنَّ
اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا مَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ أَيُّكُمْ الربع
زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ إِيْمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّهُمْ
يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا
إِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾ أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ
فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ وَ
إِذَا مَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ ۗ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ أَحَدٍ
ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۗ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٢٧﴾ لَقَدْ
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ إِلٰهَ
إِلَّا هُوَ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾

نبی اور مومنین کے لیے روا نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت مانگیں اگرچہ وہ قرابت دار ع ١٦ / ٥
ہی کیوں نہ ہوں جب کہ یہ ظاہر ہو چکا کہ یہ جہنم میں جانے والے لوگ ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ ترجمۂ آیات ١١٣-١٢٩
کے لیے مغفرت مانگنا صرف اس وعدے کے سبب سے تھا جو اس نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر
جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے اس سے اعلانِ برأت کر دیا۔ بے شک
ابراہیم بڑا ہی رقیق القلب اور بردبار تھا۔ اور اللہ کسی قوم کو، اس کو ہدایت دینے کے بعد
گمراہ نہیں کرتا جب تک وہ وضاحت کے ساتھ ان کو وہ چیزیں بتا نہ دے جن سے ان کو بچنا

ہے بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ اللہ ہی ہے جس کی آسمانوں اور زمین پر بادشاہی ہے۔ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا نہ تمھارا کوئی دوست ہے نہ مددگار۔ ۱۱۳-۱۱۶

اللہ نے نبی اور ان مہاجرین وانصار پر رحمت کی نظر کی جنھوں نے نبی کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا، بعد اس کے کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چکے تھے پھر اللہ نے ان پر رحمت کی نگاہ کی۔ بے شک وہ ان پر نہایت مہربان اور رحیم ہے اور ان تینوں پر بھی رحمت کی نگاہ کی جن کا معاملہ اٹھا رکھا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں ضیق میں پڑ گئیں اور انھوں نے اندازہ کر لیا کہ خدا سے خدا کے سوا کہیں مفر نہیں۔ پھر اللہ نے ان پر عنایت کی نظر کی تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۱۷-۱۱۸

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کی معیت اختیار کرو۔ اہل مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے اعراب کے لیے روا نہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو اس کی جان سے عزیز رکھیں۔ یہ اس لیے کہ جو پیاس، تکان اور بھوک بھی خدا کی راہ میں ان کو لاحق ہوتی ہے، اور جو قدم بھی وہ کفار کو رنج پہنچانے والا اٹھاتے ہیں اور جو چرکا بھی وہ کسی دشمن کو لگاتے ہیں، ان سب کے بدلے میں ان کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اللہ خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور جو کوئی چھوٹا یا بڑا انفاق وہ کرتے ہیں اور جو وادی بھی وہ قطع کرتے ہیں، سب ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کے عمل کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔ یہ تو نہ تھا کہ سب ہی مسلمان اٹھتے تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ کچھ لوگ نکلتے تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو بھی آگاہ کرتے جب کہ

وہ ان کی طرف لوٹتے کہ وہ بھی احتیاط کرنے والے بنتے۔ ۱۱۹-۱۲۲

اے ایمان والو، تمہارے گرد و پیش جو کفار ہیں ان سے لڑو اور چاہیے کہ وہ تمہارے رویہ میں سختی محسوس کریں اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ اور جب کوئی سورہ اترتی ہے تو ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو پوچھتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا، سو جو سچ مچ ایمان لائے ہیں وہ ان کے لیے ایمان میں اضافہ کرتی ہے اور وہ اس سے بشارت حاصل کرتے ہیں۔ رہے وہ جن کے دلوں میں روگ ہے تو وہ ان کی نجاست پر ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیتی ہے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرتے ہیں۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر بھی نہ تو توبہ کرتے نہ یاد دہانی ہی حاصل کرتے۔ اور جب کوئی سورہ اتاری جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے پھر کھسک جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے بوجہ اس کے کہ یہ سمجھ سے کام لینے والے لوگ نہیں ہیں۔ ۱۲۳-۱۲۷

تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آچکا ہے جس پر تمہارا ہلاکت میں پڑنا بہت شاق ہے، وہ تمہارے ایمان کا حریص اور اہل ایمان کے لیے سراپا شفقت و رحمت ہے پس اگر وہ روگردانی کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اس پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ ۱۲۸-۱۲۹

۲۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ ج فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ط إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (۱۱۳-۱۱۴)

مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت

'مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ ...... الآیۃ' یہ مسلمانوں کو ایک نہایت خفی شائبہ شرک سے، جو نفاق کا ایک چور دروازہ ہے، پرہیز کرنے کی ہدایت ہے۔ وہ یہ کہ جن لوگوں پر حق پوری طرح واضح کیا جا چکا ہے اور جن سے اتمام حجت کے بعد اعلان برأت ہو چکا ہے، پھر بھی وہ ایمان نہ لائے، ان کے لیے اہل ایمان مغفرت نہ مانگیں اس لیے کہ اس قسم کے معاندین، خدا کے غضب کے مستحق ہیں۔ ان کے لیے رشتہ قرابت یا کسی اور رابطہ محبت کی بنا پر رحمت کی دعا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ حمیت قرابت، حمیت حق پر غالب ہے۔ آیت میں مشرکین کا لفظ یہاں مشرکین عرب کے لیے ہے جن سے اس سورہ میں، جیسا کہ آپ پیچھے تفصیل سے پڑھ آئے ہیں، نہایت آشکارا الفاظ میں اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان برأت ہو چکا ہے اور منافقین کی بڑی کمزوریوں میں سے یہ کمزوری بتائی گئی ہے کہ وہ ان سے اپنی قرابت اور دوستی کے روابط کاٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ تمام روابط ختم کر دینے کے بعد اہل ایمان کو یہ ہدایت ہوئی کہ ان کے لیے مغفرت کی دعا بھی نہ کی جائے۔ یاد ہو گا کہ اور یہی ممانعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کٹر منافقین کے باب میں بھی ہوئی ہے کہ آپ نہ ان کے لیے استغفار کریں نہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں ایک مرحلہ آتا ہے جب ان کو اور اہل ایمان کو کفار کے لیے ہدایت و مغفرت کی دعا سے بھی روک دیا جاتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ وقت بھی آتا ہے جب کہ 'رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا' کے الفاظ بھی ان کی زبان سے ان کفار کے حق میں نکلتے ہیں۔ یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اہل باطل کے ساتھ کوئی تسمہ بھی اہل حق کا لگا رہنے نہیں دینا چاہتا تاکہ جو عذاب ان کے لیے مقدر ہو چکا ہے وہ اس کو بھگتنے کے لیے ہر امان سے محفوظ ہو جائیں۔ سورۂ انفال میں ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ نبی اور اہل ایمان کی دعائیں ان کی قوم کے لیے امان کا کام دیتی ہیں۔ یہاں نبی اور اہل ایمان کو استغفار سے روک کر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو گویا آخری امان سے بھی محروم کر دیا۔

'وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی' کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ نبی کے ساتھ بھی کسی کی رشتہ داری ایمان کے بغیر خدا کے ہاں کچھ کام آنے والی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد دوسرے رشتوں ناتوں کی کیا اہمیت باقی رہی۔

ممانعت کے حدود

'مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ' کے الفاظ سے یہ بات تو واضح طور پر نکلتی ہے کہ جن کا جہنمی ہونا قطعی طور پر معلوم ہو چکا ہو ان کے لیے اہل ایمان کو استغفار کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس سے کسی کافر کے لیے ہدایت کی دعا کرنے کی ممانعت نہیں نکلتی اس لیے کہ آیت میں جن مشرکین کا ذکر ہے ان کا جہنمی ہونا خود اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا۔ رسول کے بعد، کسی کے باب میں قطعی طور پر اس بات کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ ہدایت نہیں اختیار کرے گا، لازمی جہنمی ہی ہو گا۔ اس وجہ سے ایسے لوگوں کی ہدایت کی دعا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کفر ہی پر مرا ہے تو اس کے

لیے نجات کی دعا نہیں کرنی چاہیے اس لیے کہ اس سے ایمان کی بے وقعتی اور خدا کے قانون عدل کی نفی ہوتی ہے جس سے احتراز اہل ایمان کے لیے لازمی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے استغفار کی نوعیت

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ ...... الاٰیۃ' یہ ایک غلط فہمی کا ازالہ ہے یعنی کوئی یہ نہ خیال کرے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے کافر باپ کے لیے مغفرت کی دعا کی تو آخر وہ اپنے کافر عزیزوں کے لیے استغفار کیوں نہیں کر سکتا؟ فرمایا کہ ابراہیمؑ نے جو کچھ کیا وہ محض ایک وعدے کا ایفا تھا جو وہ اپنے باپ سے کر چکے تھے۔ پھر یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب ان پر یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی کہ باپ فی الحقیقت اللہ کا دشمن ہے جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی، انھوں نے اس سے اعلان برأت کر دیا۔ قرینہ دلیل ہے کہ یہاں واضح ہونے سے مراد یہ ہے کہ اتمام حجت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو آگاہ فرما دیا کہ بس اب اس کا پیچھا چھوڑو یہ ایمان لانے والا نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ سے وعدہ

حضرت ابراہیمؑ کے جس وعدے کا یہاں حوالہ ہے وہ قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے۔ سورہ مریم میں ہے

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (۴۷-مریم)

اس نے کہا اچھا۔ السلام علیکم، میں آپ کے لیے اپنے رب سے مغفرت مانگوں گا۔ وہ میرے حال پر بڑا مہربان ہے۔

اس سے وعدے کی غایت درجہ اہمیت واضح ہوتی ہے۔ آدمی اگر کسی سے وعدہ کر بیٹھے، خاص طور پر دعا و استغفار کا، تو حد جواز و امکان کے اندر اس کو ضرور پورا کرے۔

حضرت ابراہیمؑ کی تعریف

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۔ 'اَوَّاہٌ' کے معنی کثیر التاوّہ' یعنی دردمند، غم خوار اور رقیق القلب کے ہیں اور حلیم کے معنی بردبار کے ہیں۔ یہاں ان الفاظ سے حضرت ابراہیمؑ کی تعریف دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی باپ کے معاملے میں دردمندی اور بردباری بہت پسند آئی۔ اوپر سورۂ مریم کی جس آیت کا حوالہ ہم نے دیا ہے اس کے پیش و عقب کو قرآن میں پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ آذر نے اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ نہایت سنگدلانہ برتاؤ کیا تھا لیکن سعادت مند بیٹے نے حلم و بردباری سے نہ صرف باپ کی جھڑکی اور دھمکی برداشت کی بلکہ نہایت دردمندی کے ساتھ اس کے لیے دعا و استغفار کا وعدہ بھی کر لیا۔ غور کیجیے کہ ایک ایسے دردمند اور حلیم بیٹے نے جب باپ سے اعلان برأت کیا ہوگا تو جگر پر کتنا بھاری پتھر رکھ کر کیا ہوگا؟ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اس کی محبت میں موم بھی بنے اور پتھر بھی اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دل کے یہ دونوں پہلو نمایاں کیے اور یہی صحیح نمونہ ہے دین کے خدمت گزاروں کے لیے۔ جب تک ان کے سینہ میں دردمند دل نہ ہو خلق کی ہدایت کے لیے ان کا اٹھنا بے سود اور جب تک عزم میں لوہے کی صلابت اور پہاڑ کی استقامت نہ ہو دین کے لیے ان کا وجود بالکل ناکارہ!

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۱۱۵)

مسلمانوں کو ایک تنبیہ

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ..... الآیۃ" یہ آیت یوں تو اس عام سنت الٰہی کا بیان بھی ہو سکتی ہے جو قرآن میں بار بار مذکور ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو بھی گمراہی کے حوالہ کرتا ہے اتمام حجت اور توضیح حق کے بعد ہی کرتا ہے اس وجہ سے اس طرح کے لوگ اس ہمدردی کے سزاوار نہیں ہیں کہ ان کے لیے استغفار کیا جائے لیکن میرا ذہن 'بَعْدَ إِذْ هَدٰىهُمْ' کے الفاظ سے بار بار اس طرف جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ خدا نے تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دینے کے بعد اس راہ کے مسافر کو جن خطرات سے ہوشیار رہنا چاہیے، ان سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔ اب یہ تمھارا فرض ہے کہ تم ان خطرات سے بچو۔ اگر تم نہ بچے تو راہ پا کر اس سے بھٹکنے کی ذمہ داری خود تم پر ہوگی۔ اللہ ایسے لوگوں کو گمراہی کے لیے چھوڑ دیا کرتا ہے۔ گویا یہ اس ممانعت کی تاکید ہوئی جو مشرکین کے لیے استغفار کے باب میں مسلمانوں کو، اوپر والی آیت میں کی گئی ہے۔ یہ بات ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ جن کی حق دشمنی واضح ہو چکی ہے ان کے ساتھ کوئی ذہنی اور قلبی لگاؤ بسا اوقات آدمی کے لیے فتنہ بن جایا کرتا ہے۔ یہی لگاؤ بالتدریج ترقی کرتے کرتے بالآخر اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اصول و عقائد نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور خون و نسب کا تعلق تمام حقائق پر غالب آجاتا ہے۔ آج جو لوگ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے کے باوجود 'نَحْنُ أَبْنَاءُ الْفَرَاعِنَة' کا نعرہ لگاتے ہیں یا محمد بن قاسم کی بجائے راجہ داہر پر فخر کرتے ہیں وہ اسی فتنہ کا شکار ہوئے ہیں۔

'إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ' بھی اسی تنبیہ کا جزو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ظاہر و باطن ہر چیز سے آگاہ ہے جس کے اندر بھی شرک و کفر کے ساتھ کوئی لوث اور لگاؤ ہوگا وہ خدا سے مخفی نہیں رہے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۱۱۶)

یہ توحید کی آیت ہے اور یہ اوپر والے مضمون ہی کی تاکید ہے۔ یہ تاکید در تاکید اسی لیے ہے کہ شرک کا ہر شائبہ مسلمانوں کے اندر سے یک قلم ختم ہو جائے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱۱۷)

'تاب علیٰ' کا مفہوم

'تَابَ، يَتُوْبُ، تَوْبَة' کے معنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے ہیں لیکن جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور صلہ 'علیٰ' کے ساتھ آئے تو، جیسا کہ دوسرے مقام میں ہم واضح کر چکے ہیں، یہ رحمت کے مضمون پر بھی متضمن ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا مفہوم کسی پر رحمت کی نظر کرنے کا ہو جاتا ہے جس کے لازم معنی بندے کی توبہ قبول کرنے کے بھی ہوئے۔

قبولیت توبہ کی عام بشارت

اب یہ قبولیت توبہ کی اس عام بشارت کا اعلان ہو رہا ہے جو اس سورہ کی تنبیہات و تحذیرات کے بعد رحمت کی گھٹا بن کر ان لوگوں کے لیے برسی جنھوں نے اپنے آپ کو اس کا سزاوار ثابت کیا۔ ہم پیچھے اشارہ کر آئے

ہیں کہ اس سورہ نے وقت کے پورے اسلامی معاشرہ کو چھاج میں پھٹک کر اس کو خس وخاشاک سے بالکل پاک صاف کر دیا۔ اس تطہیر و تنقید کے بعد تمام عناصر فاسدہ چھٹ کر الگ ہو گئے۔ صرف وہ لوگ بچ رہے جو زرِ خالص کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں سے اگر کسی کے دل پر وقتی طور پر کوئی غبار آ گیا تھا تو اس کو بھی، توبہ کی اس منادیٔ عام سے بیدار ہو کر، لوگوں نے دعا و استغفار کے آنسوؤں سے دھو لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی توبہ کی قبولیت کی بشارت سنا دی۔

نبی صلعم کے ذکر کی نوعیت

اس فہرست میں سرِ فہرست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اس لیے کہ اس پاکیزہ معاشرہ کے گلِ سر سبد حضورؐ ہی تھے۔ اس سیاق میں آپؐ کے ذکر کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ سے کوئی اس طرح کی غلطی صادر ہوئی تھی جس طرح کی غلطی بعض دوسرے لوگوں سے صادر ہوئی بلکہ حضورؐ اپنی طبعی رأفت و رحمت کی بنا پر، اب تک منافقین کے باب میں جو نرمی و چشم پوشی برتتے تھے، جس کی طرف عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ... الاٰیۃ اور بعض دوسری آیتوں میں اشارہ گزرا، یہ اس طرح کی چشم پوشیوں کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دامنِ عفو و رحمت میں جگہ دی۔ ہم دوسرے مقام میں ذکر کر چکے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ حق و عدل کی کسوٹی ہوتے ہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی ان مسامحتوں پر بھی گرفت اور ان کی اصلاح فرماتا ہے جو اگرچہ ظہور میں تو آتی ہیں جذبۂ خیر سے لیکن وہ اس معیارِ مطلوب سے متجاوز ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں فرقِ مراتب کی ترتیب

دوسرے درجہ پر اس میں مہاجرین اور پھر انصار کا ذکر آیا ہے۔ اس سے ایک طرف تو اسلامی معاشرہ میں فرقِ مراتب کی ترتیب واضح ہوتی ہے کہ اس معاشرہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اونچا درجہ مہاجرین کا ہے، اس کے بعد انصار کا ہے، دوسری طرف الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ کے الفاظ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں فرقِ مراتب کی بنیاد خاندان، نسب یا مال و جاہ پر نہیں بلکہ تمام تر اتباعِ رسول اور خدمتِ اسلام پر ہے۔ جو لوگ اس وصفِ خاص میں سب سے اونچے ہوئے وہ معاشرہ میں سب سے اونچے قرار پائے قطع نظر اس سے کہ وہ کس خاندان اور گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دنیوی اسباب و وسائل کے اعتبار سے ان کا حال کیا ہے اور کیا رہا ہے۔

مہاجرین اور انصار کے ایمان کی خصوصیت

سَاعَةِ الْعُسْرَةِ کے الفاظ سے اصلاً تو تبوک کی مہم کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وہ، جیسا کہ سیرت و مغازی کی کتابوں سے واضح ہے، نہایت مشکل حالات میں پیش آئی تھی لیکن اس میں ایک جامع اشارہ ان مشکلات و مصائب کی طرف بھی ہے جن سے مہاجرین و انصار کو شروع سے لے کر اب تک برابر گزرنا پڑا تھا۔ ان الفاظ کا حوالہ ایک تو اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ اصل ایمان ان کا ایمان ہے جو مصائب و شدائد کی کسوٹیوں پر جانچے اور پرکھے جا چکے ہوں۔ دوسری بات اس سے یہ نکلی کہ دراصل مہاجرین و انصار کے ایمان کی یہی خصوصیت ہے جو ان کے لیے سفارش بنی کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کی نظر اور ان کی توبہ قبول

فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وفادار و جاں نثار بندوں کو توفیقِ خیر سے محروم نہیں فرماتا۔ جب ان سے کوئی کمزوری صادر ہو جاتی ہے، ان کے دل میں وہ توبہ کی بے قراری پیدا کرتا ہے، پھر وہ توبہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر انداز صرف ان کو کرتا ہے جو صرف زبان سے عشق کا دعویٰ کرتے ہیں، اس راہ میں چوٹ کھانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

'مِنۡۢ بَعۡدِ مَا كَادَ يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ مِّنۡهُمۡ' کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ مہاجرین و انصار کا سوادِ اعظم ہر قسم کے مصائب و شدائد کے باوجود ہر دور میں حق پر ثابت قدم اور استوار رہا۔ ان میں سے صرف ایک چھوٹے سے گروہ سے تبوک کے موقع پر کچھ کمزوری صادر ہوئی لیکن تنبیہ کے بعد وہ بھی متنبہ ہو گئے۔ پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی توبہ قبول فرمائی۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ (۱۱۸)

ان تین معتوبین کو بشارت جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا

'وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا' قبولیتِ توبہ کی اس عام بشارت کے بعد، جو اوپر مذکور ہوئی، یہ ان تین آدمیوں کی قبولیتِ توبہ کی بشارت ہے جن کا معاملہ آیت ۱۰۶ میں آئندہ کے لیے ملتوی کر دیا گیا تھا۔

'حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ' یعنی جب توبہ کے لیے ان کے اندر دل کی وہ خستگی اور بے قراری پیدا ہو گئی جو رحمتِ الٰہی کو متوجہ کرتی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ بھی قبول فرمائی۔

معتوبین کے ساتھ معاشرہ کا برتاؤ

'ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ' سے ان حالات کی طرف اشارہ ہے جو ان لوگوں کو پیش آئے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے پچاس دن ان لوگوں پر ایسے گزرے کہ ہر شخص نے ان سے آنکھیں پھیر لیں، یگانے بیگانے بن گئے۔ عزیزوں، رشتہ داروں اور بچپن کے ساتھیوں تک نے اس طرح بے رخی اختیار کر لی گویا کبھی آشنا ہی نہ تھے، یہاں تک کہ بیوی بچے بھی بالکل غیر بن کے رہ گئے، مدینہ وہی تھا، اس کی وسعتیں اور برکتیں بھی وہی تھیں، دلوں میں اسلام نے مہر و محبت اور اخوت و ہمدردی کی جو تخم ریزی کی تھی اس کی فصل بھی شباب پر تھی، لوگ آپس میں ملتے جلتے، کھاتے پیتے، ایک دوسرے کے لیے جاں نثاریاں اور غم گساریاں کرتے، صرف یہ تین شخص ایسے تھے جن کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا اس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے معتوب تھے۔ خدا کی زمین میں آدمی کے لیے بڑی وسعت ہے بشرطیکہ لوگوں کے دلوں کے دروازے اس کے لیے کھلے ہوئے ہوں۔ لیکن جب لوگوں کے دلوں ہی کے دروازے اس کے لیے بند ہو جائیں تو زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود اس کے لیے ایک زندان بن کے رہ جاتی ہے۔ ان تینوں صاحبوں کے لیے مدینہ کی سرزمین کا یہی حال ہو گیا تھا اور یہ حالت دو دن نہیں بلکہ جیسا کہ اوپر گزرا، پورے پچاس دن قائم رہی۔

ان کے اپنے دلوں کا حال

'وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ' اوپر کے ٹکڑے میں اس حالت کی تصویر ہے جو ان لوگوں کو اپنے سے خارج کی دنیا میں پیش آئی۔ اس ٹکڑے سے خود ان کے باطن کا حال واضح ہو رہا ہے۔ جس طرح باہر کی

دنیا میں ان کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی اسی طرح خود ان کے اپنے باطن میں بھی ان کے لیے کوئی جائے پناہ باقی نہیں رہی تھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ باہر کی فضا خواہ کتنی ہی گھٹی ہوئی ہو آدمی کا اپنا دل اپنے رویے پر مطمئن ہو تو وہ خلق کی بے مہری سے زیادہ برداشتہ خاطر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے باطن میں امن و سکون کا کوئی گوشہ تلاش کر ہی لیتا ہے۔ لیکن یہ لوگ خدا اور رسول کی ناراضگی پر ایک لمحہ کے لیے بھی صبر کرنے والے نہیں تھے چہ جائیکہ پورے پچاس دن اس حالت میں ان پر گزر جائیں کہ مدینہ کے در و دیوار شاہد ہوں کہ اللہ اور رسولؐ ان سے ناراض ہیں۔ جن کے دلوں میں ایمان ہو ان کے لیے اس سے بڑے غم و اندوہ کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کا حال یہ ہوا کہ باہر کی دنیا ان سے جتنی بیزار تھی اس سے زیادہ یہ لوگ خود اپنے وجود سے بیزار تھے۔ اندازہ کیجیے کہ کیا حال ہوا ہوگا ان لوگوں کی دل شکستگی کا جن کو نہ تو باہر سے کوئی امید کی کرن نظر آ رہی ہو اور نہ خود اپنا ہی دل کسی طرح تسلی قبول کرنے کے لیے تیار ہو۔

خدا کی گرفت سے خدا ہی کی پناہ

وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۔ یہ ان لوگوں کے دل کی حالت کی ٹھیک ٹھیک تعبیر ہے کہ جتنی ہی شدت کے ساتھ ان لوگوں پر عتاب ہوا اتنی ہی بے قراری کے ساتھ ان لوگوں نے اپنے آپ کو خدا کے آگے ڈال دیا کہ جب گرفت خدا کی طرف سے ہے تو اس سے پناہ صرف وہی دے سکتا ہے چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین میں سے دو صاحبوں نے تو بالکل ہی خانہ نشینی اختیار کر لی، رات دن گریہ و زاری اور توبہ و استغفار کے سوا ان کا کوئی کام ہی نہیں رہ گیا۔ تیسرے صاحب اگرچہ کسی کسی وقت باہر نکلتے لیکن صرف اس امید میں کہ شاید کسی گوشے سے خدا اور رسول کی رضا کی کوئی جھلک آ جائے۔ اگر ان کے اندر نفاق کا کوئی جرثومہ ہوتا تو جب یہ خدا اور رسولؐ کی طرف سے پھینکے گئے تھے، کسی اور کی پناہ ڈھونڈھنے کی کوشش کرتے لیکن یہ راسخ الایمان لوگ تھے اس وجہ سے ٹھیک اس بچے کی طرح جو ماں کی جھڑکی سے سہم کر خود ماں ہی سے چمٹتا ہے، یہ خدا کے عذاب سے بچنے کے لیے خدا ہی کی طرف بھاگے، نہ کوئی جھوٹا عذر پیش کیا، نہ دوسروں سے مل کر کوئی ساز باز کرنے کی کوئی کوشش کی۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک صاحب — کعب بن مالکؓ — کے پاس اسی دوران شاہ غسان کا قاصد خط لے کر آیا کہ "ہم نے سنا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر ستم توڑ رکھا ہے، تم کوئی حقیر اور ضائع کیے جانے کے لائق آدمی نہیں ہو، تم ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہاری قدر کریں گے۔" تو انھوں نے اس خط کو چاک کر کے چولھے میں جھونک دیا۔ اس لیے کہ کعب بن مالکؓ اس حقیقت پر ایمان رکھتے تھے کہ خدا کی گرفت سے بندہ صرف خدا ہی کی رحمت سے چھوٹ سکتا ہے۔ شاہ غسان اس سے نجات نہیں دلا سکتا۔ درحقیقت یہی عقیدہ روح ایمان اور مغز توحید ہے۔ بندہ اس عقیدے کے ساتھ، خدا کی کسی گرفت پر، اپنے آپ کو خدا ہی کے آگے ڈال دیتا ہے تو اس کی رحمت پہلے سے بڑھ کر اس کے لیے جوش میں آتی ہے۔

سچی توبہ کے لیے سچی بے قراری

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ یعنی جب ہجر و فراق کی یہ سختیاں جھیل کر

ان کے دل اچھی طرح گداز ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت کی نظر فرمائی اور ان کو سچی اور خالص توبہ کی توفیق بخشی۔ 'لِيَتُوبُوا' فعل یہاں اپنے حقیقی اور کامل معنی میں ہے۔ جہاں تک اعتراف گناہ کا تعلق ہے وہ تو، جیسا کہ پیچھے گزرا، ان لوگوں نے پہلے بھی کر لیا تھا لیکن اس وقت ان کی توبہ قبول نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں، یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات کو اپنی سابقہ دینی خدمات پر اعتماد تھا۔ اس وجہ سے ان کو نہ تو اپنی غلطی کی سنگینی کا صحیح صحیح اندازہ ہی ہو سکا اور نہ ان کے اندر وہ سچی تڑپ اور بے قراری ہی پیدا ہو سکی جو ان کے مرتبہ کے شایانِ شان تھی۔ آدمی سے توقع اس کے درجے اور مقام کے اعتبار سے کی جاتی ہے، ہر ایک کی وفاداری ایک ہی پیمانے سے نہیں ناپی جاتی۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش کے ایک سخت کورس سے گزارا تاکہ ان کو بھی اور ان کے واسطے سے دوسرے اہل ایمان کو بھی یہ تربیت حاصل ہو کہ سچی توبہ کے لیے دل کی کس درجے کی خستگی اور کس نوعیت کی بے قراری اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

توبہ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے

'تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا' سے ایک اور حقیقت بھی واضح ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ توبہ کی ابتدا اصلاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہی پہلے بندے کے دل میں رجوع الی اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ پھر جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوبارہ اس پر رحمت کی نظر فرماتا اور اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ اگر اس کے اندر ایمان ہو تو ہر گناہ پر اس کا دل کڑھتا اور آزردہ ہوتا ہے اور ایک احساس ندامت کے ساتھ اس کے اندر اپنے رب کی طرف رجوع ہونے کا جذبہ ابھرتا ہے۔ اگر آدمی اپنے اس جذبے کے مطابق عمل کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل اور زبان پر وہ الفاظ اور کلمات بھی جاری فرما دیتا ہے جو اس کو پسند ہیں اور جن کو وہ شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ اس سے محروم صرف وہ بدقسمت لوگ رہتے ہیں جن کا ضمیر کند اور جن کا ایمان مردہ ہو جایا کرتا ہے۔ ایسے لوگ خدا سے بے پروا ہو جایا کرتے ہیں جس کی سزا ان کو یہ ملتی ہے کہ خدا بھی ان سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ آدمؑ و ابلیس کی سرگزشت، جو سورہ بقرہ میں بیان ہوئی ہے، وہ اس کی نہایت حقیقت افروز مثال ہے۔ آیت 'فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ' ۳۷۔ بقرہ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (۱۱۹)

راستبازوں کی صحبت اختیار کرنے کی ہدایت

تطہیر و تزکیہ کا غسل دینے کے بعد اب مسلمانوں کو بعض ہدایات دی جا رہی ہیں جن پر عمل کر کے وہ آیندہ اپنے آپ کو کفر و نفاق کی آلودگیوں سے پاک صاف رکھ سکتے ہیں۔

پہلی ہدایت یہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور راستبازوں کی صحبت و معیت اور راسخ الایمان اور کامل الحیاء لوگوں کی رفاقت اختیار کرو۔ صحبت و معیت کو آدمی کے بناؤ اور بگاڑ میں بڑا دخل ہے۔ اگر آدمی

کا رہنا سہنا، اٹھنا بیٹھنا، کافروں، منافقوں اور جاہلوں کے ساتھ ہو تو کمزور تو درکنار بسا اوقات مضبوط آدمی بھی کچھ نہ کچھ ان کا اثر قبول کر ہی لیتا ہے۔ اسی طرح راسخ الایمان اور راسخ العمل لوگوں کے فیض صحبت سے کمزور آدمی کے اندر بھی اپنی کمزوریوں پر غالب آنے کا حوصلہ پیدا ہو جایا کرتا ہے اور وہ بالتدریج ان کے زمرے کا آدمی بن جاتا ہے۔ صحبت اور معیت کی اسی اہمیت کے سبب سے ان لوگوں کو جو دارالکفر میں پڑے ہوئے تھے ہجرت کر کے دارالاسلام میں آنے کا حکم ہوا اور مسلمانوں کو جو مدینہ کے اطراف کے دیہاتوں میں آباد تھے یہ ہدایت ہوئی کہ ان کی جماعتیں برابر باری باری حصول تعلیم و تربیت کے لیے مدینہ آتی رہیں تاکہ ان کا ربط نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے ساتھ قائم رہے۔ پیچھے منافقین اور اعراب کے جو حالات بیان ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روحانی و اخلاقی بیماریوں میں بڑا دخل ان کے خراب ماحول کا تھا۔ اس وجہ سے احتیاطی تدابیر میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ یہ بات بیان ہوئی کہ لوگ اللہ سے ڈرتے رہیں اور راست بازوں کی صحبت و رفاقت کا التزام کریں۔ خدا کا خوف دل کا پاسبان ہے۔ وہ اندر سے انسان کی حفاظت کرتا ہے اور راست بازوں کی صحبت باہر سے اس کو شیطان کے مقابل میں کمک پہنچاتی ہے۔

'صٰدِقِیْنَ' کا لفظ یہاں خاص طور پر نگاہ میں رکھنے کا ہے۔ ہم دوسرے مقام میں اس لفظ کی حقیقت واضح کر چکے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے قول اور عمل میں پوری پوری مطابقت ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ یہ لفظ منافقین کا ضد ہے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۲۰-۱۲۱)

اوپر کے مضمون کی تاکید مزید

یہ بھی اوپر والے مضمون ہی کی تاکید مزید یعنی صادقین کی رفاقت و معیت اختیار کرنے کے لیے کمزور مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہے کہ ہرچند اس راہ میں آزمائشیں، مشکلات اور خطرات ہیں لیکن حق کی راہ میں جس مشکل اور خطرے سے بھی بندہ گزرتا ہے، جو چوٹ بھی وہ کھاتا ہے، جو چرکا بھی وہ دشمن کو لگاتا ہے، ہر ایک کے بدلے میں اس کے کھاتے میں ایک عمل صالح درج ہوتا ہے اور جزا کے دن ہر شخص اپنے ہر عمل صالح کا بہتر سے بہتر صلہ پائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا معاملہ اپنی راہ میں دکھ اٹھانے والوں کے ساتھ یوں ہے تو اہل مدینہ اور اعراب میں سے کسی کے لیے زیبا نہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول کا ساتھ دینے سے ہچکچاتا اور اپنی جان کو ان کی جان کے مقابل میں اہمیت دیتا۔ اور نہ آئندہ یہ کسی کے لیے جائز ہے کہ راہ حق کے خطرات اور اندیشوں سے ڈر کر حق اور حق پرستوں کا ساتھ چھوڑ کر باطل اور باطل پرستوں کا ہم سفر بن جائے۔

اعمال کی مقبولیت کی شرط۔ احسان

'اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ' میں لفظ 'مُحْسِنِيْنَ' اس شرط کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اللہ کے ہاں ان

اعمال کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے۔ وہ شرط یہ ہے کہ یہ اعمال اِحْسَان، پوری خوبی کے ساتھ صرف اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے انجام دیے جائیں، کسی اور غرض کا کوئی شائبہ اس میں شامل نہ ہو۔

'وَلَا يَطَـُٔونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ' سے مراد اس طرح کے اقدامات ہیں جو دشمن کے حوصلے کو پست کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں، جن سے ان کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے اور اہلِ حق کے حوصلے کی ان پر دھاک بیٹھتی ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ‎(١٢٢)

نفاق کی بیماری کا علاج

یہ بات بھی صادقین کی معیت اور رفاقت ہی کے پہلو سے ارشاد ہوئی ہے۔ اوپر آیت ۹۷ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اعراب نے نبیؐ اور صالحین کی صحبت بہت کم اٹھائی ہے۔ وہ حلال و حرام کی حدود سے بے خبر ہیں، اس وجہ سے کفر و نفاق کی بیماری کا حملہ ان پر آسانی سے ہو جاتا ہے۔ اب یہ ان کو اس کمزوری کے علاج کی طرف توجہ دلائی کہ ان لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پیغمبرؐ اور صحابہؓ کی صحبت سے مستفید ہونے کی سبیل نکالنے کی کوشش کرنی تھی۔ اگر سب لوگ اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر مجلس نبویؐ میں نہیں پہنچ سکتے تھے تو ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت علم دین میں فہم و بصیرت حاصل کرنے کے لیے مجلس نبویؐ میں حاضر ہوتی تاکہ وہاں سے مستفید ہو کر اپنی قوم کو بھی اس سے مستفید کرتی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اب تک اس میں کوتاہی ہوئی ہے تو اب اس کا اہتمام کیا جائے اور ہر بستی سے لوگ باری باری مدینہ آئیں، دین سیکھیں اور سمجھیں اور پھر اپنی قوم میں واپس جا کر لوگوں کو بتائیں اور سکھائیں۔ اس طرح دیہات کے لوگ اپنے گھر در اور مال مویشی کی دیکھ بھال بھی کر سکیں گے اور نبیؐ اور صحابہؓ کے فیوض صحبت سے بھی مستفید ہو سکیں گے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ نے مجلس نبویؐ میں حاضری کے لیے باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔ اس طرح وہ اپنے باہمی تعاون سے اپنے کام کاج بھی جاری رکھتے اور مجلسِ نبویؐ کے فیوض و برکات سے بھی فائدہ اٹھاتے۔

اسلام میں تعلیم کا اصل مقصد

آیت میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے 'تَفَقُّه فِي الدِّين' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں دین میں فہم و بصیرت حاصل کرنا اور تعلیم دینے کے لیے 'اِنْذَار' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ڈرانے، ہوشیار کرنے اور خاص طور پر آخرت کی زندگی کی تیاریوں کے لیے بیدار کرنے کے ہیں۔ یہ دونوں لفظ اسلام میں تعلیم کا جو اصل مقصد ہے، اس کے لحاظ سے استعمال ہوئے ہیں۔ اسلام میں تعلیم و تعلّم کا اصل مقصد دین میں بصیرت حاصل کرنا اور آخرت کی فلاح کے لیے اپنی اور دوسروں کی تربیت کرنا ہے۔ باقی چیزیں سب ثانوی حیثیت رکھتی ہیں اور اسی نصب العین کے تابع ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا

اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (۱۲۳)

آیت ۱۲۳ پوری سورہ کے اصل مضمون کا خلاصہ ہے

یہ آیت پوری سورہ کے اصل مضمون کا خلاصہ ہے۔ اس سورہ میں، جیسا کہ آپ نے دیکھا، کفار و مشرکین پر اتمام حجت ہو چکنے کے بعد ان سے اعلانِ برأت اور ان کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ آیات ۲۳۔۲۴ کے تحت یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ منافقین اپنے پاس پڑوس کے کفار و مشرکین سے عزیزانہ و دوستانہ روابط اور دوسرے کاروباری مفادات وابستہ رکھنے کے سبب سے، اس بات کے لیے تیار نہیں تھے کہ ان سے جنگ کریں یا اپنے تعلقات ان سے یک قلم ختم کر لیں۔ ان کی اس منافقت کی اچھی طرح قلعی کھول لنے اور ایمان، تقویٰ اور صداقت کے حقیقی مقتضیات تفصیل سے واضح کر دینے کے بعد اب یہ دین کا اصل مطالبہ ان کے سامنے پھر رکھ دیا گیا ہے۔ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن قرینہ پتہ دے رہا ہے کہ روئے سخن ان ہی کی طرف ہے۔ فرمایا کہ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ یعنی جو کفار تمھارے پاس پڑوس اور گرد و پیش میں ہیں ان سے جنگ کرو۔ گرد و پیش کے کفار جس طرح تمھاری دعوتِ ایمان و ہدایت کے سب سے زیادہ حق دار تھے اسی طرح اب، اللہ اور رسولؐ کی طرف سے اتمام حجت اور اعلانِ جنگ کے بعد، تمھاری تلواروں کے بھی سب سے زیادہ سزاوار یہی ہیں، جو لوگ قرابت داری، دوستی اور اپنے دنیوی مفاد کی خاطر ان کے معاملے میں مداہنت برتیں گے، وہ جیسا کہ آیت ۲۳ میں فرمایا ہے، اپنی جانوں پر سب سے زیادہ ظلم ڈھانے والے ٹھہریں گے اور انہی کے لیے آیت ۲۴ میں یہ وعید ہے کہ تم انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارے باب میں اپنا فیصلہ صادر فرمادے۔ یہ حقیقت ایک سے زیادہ مقامات میں واضح کی جا چکی ہے کہ ایمان و اخلاص کی اصل روح اس وقت بیدار ہوتی ہے جب اس کی خاطر اپنوں سے جنگ کرنی پڑے۔ 'یَلُوْنَکُمْ' کی قید اسی پہلو کو نمایاں کر رہی ہے۔

'وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً' یعنی اب وہ تمھارے طرزِ عمل سے یہ محسوس کر لیں کہ تمھارے اندر ان کے لیے موالات، دوستی اور محبت کی کوئی جگہ باقی نہیں رہ گئی ہے بلکہ جس طرح وہ من حیث القوم تمھارے اور تمھارے دین کے دشمن ہیں اسی طرح تم بھی من حیث الجماعت ان کے اور ان کے دین کے دشمن بنو۔ اب تک وہ تمھارے دل میں اپنے لیے بڑا نرم گوشہ پاتے تھے، اس وجہ سے ان کو توقع تھی کہ وہ اپنے مقاصد کے لیے تم کو برابر استعمال کرتے رہیں گے۔ اب یہ حالت یک قلم ختم ہو جانی چاہیے۔

'وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ' کے یہاں دو پہلو ہو سکتے ہیں۔

اہل ایمان کی حوصلہ افزائی

ایک تو یہ کہ اہل ایمان کی حوصلہ افزائی ہو۔ یعنی تم ان سے جنگ کرنے میں کوئی کمزوری دلپست ہمتی نہ دکھاؤ، اللہ کی معیت و نصرت اس کے متقی بندوں ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ اگر تم تقویٰ پر قائم رہے تو فتح و نصرت تمھاری ہی ہے، یہ لوگ ذلیل و خوار ہوں گے۔ یہ بات ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ خدا کی معیت اس کی نصرت کو بھی مستلزم ہے۔ اس وجہ سے خدا کے ساتھ ہونے کے معنی اس کی مدد و نصرت

کے ساتھ ہونے کے ہیں۔

مسلمانوں کو جنگ میں حدود و قیود کی پابندی کا حکم

دوسرا یہ کہ مسلمانوں کو تنبیہ ہو کہ تمہیں ان سے جنگ اور ان کے معاملے میں شدت اختیار کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے تو اس میں بھی تم خدا کے مقرر کردہ حدود و قیود کی پوری پابندی کرنا، کسی مرحلے میں بھی حدودِ الٰہی سے تجاوز نہ کرنا، اللہ صرف اپنے متقی بندوں ہی کا ساتھی ہے۔ پیچھے یہ ہدایات گزر چکی ہیں کہ جو کفار و مشرکین اپنے معاہدات پر قائم ہیں ان کے معاہدات کی مدت پوری کی جائے نیز محترم مہینوں کا احترام ملحوظ رکھا جائے۔ یہ انہی باتوں کی تاکید مزید ہے۔

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ۝ أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِى كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَىٰكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ ٱنصَرَفُوا۟ ۚ صَرَفَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ (۱۲۴-۱۲۷)

کٹر منافقین کا طرزِ عمل

یہ ان منافقین کی طرف اشارہ ہے جو اس سورہ کی تمام تنبیہات و تحذیرات کے بعد بھی بدستور نہ صرف اپنے نفاق میں مبتلا رہے بلکہ درجہ بدرجہ ان کا نفاق سخت سے سخت تر ہی ہوتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی تنبیہ بھی ان کو توبہ کے لیے بیدار نہ کر سکی یہاں تک کہ اسی حالت میں ان کو موت آئی۔

'وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا' سورہ' سے قرآن کی کوئی سورہ بھی مراد ہو سکتی ہے اور قرآن کا کوئی خاص حکم اور اس کا کوئی خاص ٹکڑا بھی۔

قرآن پر طنز

یہ منافقین مجلس نبوی میں مجبوراً محض دکھاوے اور مسلمانوں کو مطمئن رکھنے کے لیے جاتے تھے وہاں ان کو ہر روز قرآن کے نئے نئے مطالبات سے سابقہ پیش آتا، کبھی کوئی حکم سنایا جاتا، کبھی کوئی۔ یہ روز روز کے نئے نئے احکام ان پر بڑے شاق گزرتے۔ ان کے خلاف کھل کر کچھ کہنے کی جرأت تو ہوتی نہیں تھی البتہ کچھ طنزیہ فقرے چست کر کے وہ دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کرتے۔ مثلاً کہتے کہ ہاں، بھئی بتاؤ، اس نئے حکم سے کن کن لوگوں کا ایمان تازہ ہوا ہے، اس قسم کے طنز و تعریض سے ان کا مقصود اللہ اور رسول کے احکام کی تحقیر اور مخلص مسلمانوں کی حوصلہ شکنی ہوتا۔

اہلِ ایمان پر قرآن کا اثر

'فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ' یہ ان کے اسی قسم کے زہر آلود طنزیہ فقروں کا جواب ہے کہ جو سچے اہلِ ایمان ہیں ان کے لیے تو قرآن کی ہر سورہ اور اس کا ہر حکم ان کے ایمان و اسلام میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے اور جب وہ سنتے ہیں کہ قرآن کا کوئی نیا ٹکڑا نازل ہوا ہے تو بجائے اس کے کہ اس سے ان کے دل بھنچیں وہ خوش ہوتے ہیں کہ رحمتِ الٰہی کی ایک اور گھٹا برسی، البتہ جن کے دل

میں نفاق کا روگ ہوتا ہے ان کی اس نجاست پر مزید نجاست کے ردّے پر ردّے چڑھتے چلے جاتے ہیں، ان کو زندگی کے کسی مرحلے میں بھی توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی یہاں تک کہ اسی حالت کفر میں ان کو ایک دن فرشتۂ اجل آ دبوچتا ہے۔

اہلِ نفاق پر قرآن کا اثر

قرآن کی آیات سے اہلِ ایمان کے ایمان میں درجہ بدرجہ زیادتی ہونا اور اہلِ نفاق کے نفاق کا غلیظ سے غلیظ تر ہونا محض استعارہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ قرآن کا ہر حکم اہلِ ایمان کے لیے ایک میدانِ مسابقت کھولتا ہے اور جب وہ اس میدان کی بازی جیت لیتے ہیں تو ان کی قوتِ ایمانی میں مزید دوسرے میدان جیتنے کے لیے عزم و حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ درجہ بدرجہ وہ سعادت کی آخری منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ برعکس اس کے اہلِ نفاق ایک محرومی کے بعد دوسری محرومی اور ایک پسپائی کے بعد دوسری پسپائی کی ذلتیں سہتے سہتے عزم و ایمان کی آخری رمق سے بھی بالکل خالی ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر نفاق پر نفاق کی اتنی موٹی تہیں جم جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کے اندر جتنی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں، سب ان کے نیچے دب دبا کر مردہ ہو جاتی ہیں۔

توفیقِ توبہ سے محرومی

'اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ'۔ اوپر والی آیت میں ان لوگوں کے توفیقِ توبہ سے محروم ہو جانے کی طرف جو اشارہ ہے یہ اسی کی دلیل ہے کہ یہ لوگ غور کرتے تو انھیں خود اندازہ ہو جاتا کہ ان کی بیماری اب اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ ان کے لیے توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے ہر بندے پر رحمت کرنا چاہتا ہے اس وجہ سے اس نے اس دنیا کا نظام اس طرح رکھا ہے کہ ہر شخص، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا سال میں ایک دو بار ضرور کسی نہ کسی ایسی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے جو اس کو توبہ اور اصلاح پر ابھارے۔ جو صاحبِ توفیق ہوتے ہیں وہ ان آزمائشوں سے سبق حاصل کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن جو لوگ اپنے اعمال کی پاداش میں توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں وہ ان آزمائشوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ چنانچہ یہ لوگ اب اسی حالت کو پہنچ چکے ہیں۔ اب کوئی ٹھوکر بھی ان کی آنکھیں کھولنے والی نہیں بنتی۔ 'ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ' میں ان کے دلوں کی قساوت کی طرف اشارہ ہے اور 'وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ' میں ان کی عقلوں کے کند ہونے کی طرف۔ اس لیے کہ 'توبہ' دل کا فعل ہے اور 'تذکر' عقل کا۔ گویا ان کے اعمال کی سیاہی نے ان کی ان دونوں ہی چیزوں کو تاریک کر دیا ہے۔

مجلسِ نبوی سے منافقین کا فرار

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا۔ یہ تصویر ہے ان منافقین کے مجلسِ نبوی سے چپکے سے کھسک جانے کی۔ اہم اجتماعی مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کو کسی نئی مہم کی تیاری اور اس سے متعلق قرآن کی تازہ ہدایات سے آگاہ کرنے کے لیے بلاتے تو آنے کو تو منافقین بھی شرماشرمی میں، محض دکھاوے کے لیے آ جاتے لیکن جب دیکھتے کہ کوئی مشکل مہم درپیش ہے، مجلس میں موجود رہے تو اس کی ذمہ داریوں میں حصہ لینا پڑے گا، تو آپس میں کن انکھیوں سے اشارے

شروع کر دیتے۔ مطلب یہ کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو یہاں سے کھسک چلو۔ پھر مسلمانوں کی نظریں بچا کر، ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے یکے بعد دیگرے وہاں سے سٹک جاتے۔ منافقین کی اس روش کی طرف اس سے زیادہ تفصیل سے سورۂ نور میں اشارہ ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (نور ۶۲ - ۶۳)

سچے مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ کسی اجتماعی معاملے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں تو اس وقت تک وہاں سے نہیں ٹلتے جب تک وہ پیغمبر سے اجازت نہ حاصل کر لیں۔ جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں وہی دراصل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں تو ایسے لوگ جب تم سے اجازت مانگیں اپنی کسی ضرورت کے لیے تو تم ان میں سے جس کو چاہو اجازت دے دیا کرو اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت چاہو۔ اللہ غفور رحیم ہے۔ لوگو! جب رسول تم کو بلائے تو اس کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جیسا کہ تمھارا ایک دوسرے کو بلانا ہوتا ہے۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا رہا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے کھسک جایا کرتے رہے ہیں تو جو لوگ نبی کے حکم سے اعراض کرتے رہے ہیں انھیں ڈرنا چاہیے کہ مبادا انھیں کوئی آزمائش پیش آجائے یا وہ ایک دردناک عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔

اللہ سے فرار اختیار کرنے والوں پر لعنت

صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ۔ یعنی جب انھوں نے اللہ اور رسول سے روگردانی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو پھیر دیا۔ یہ لعنت کی تعبیر ہے اور دوسرے الفاظ میں اس کا مدعا وہی ہے جو فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ کا ہے۔ اس حالت کو پہنچ جانے کے بعد آدمی کے دل پر مہر ہو جایا کرتی ہے اور آیت سے واضح ہے کہ یہ مہر آدمی کے خود اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ۔ یعنی جو لوگ اپنے دل و دماغ کی صلاحیتوں سے خدا کی تنبیہات کے بعد بھی کام نہیں لیتے ان کی ان صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ اس سمت میں موڑ دیتا ہے جس سمت کو وہ جانا چاہتے ہیں۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (۱۲۸ - ۱۲۹)

بعثتِ نبوی کے عظیم احسان کا بدلہ

یہ دونوں آیتیں آخری تنبیہ کے طور پر نازل ہوئی ہیں۔ پہلے اس عظیم احسان کی طرف توجہ دلائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعہ سے تمام خلق پر عموماً اور اہل عرب پر خصوصاً فرمایا ہے۔ خطاب اگرچہ

عام ہے لیکن سیاقِ کلام دلیل ہے کہ روئے سخن انھیں لوگوں کی طرف ہے جو اس عظیم نعمت کی قدر کرنے کے بجائے اس کو اپنے لیے ایک مصیبت سمجھ رہے ہیں۔ فرمایا کہ تمھارے پاس ایک رسول تمہی میں سے آچکا ہے۔ مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے الفاظ میں اتمامِ حجت اور احسان کے جو پہلو مضمر ہیں ان کی طرف سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ یعنی تم میں سے شامت زدہ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ رسول ان کے لیے ایک مصیبت اور مصیبتوں کے دروازے کھولنے والا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو تم کو مصیبت اور ہلاکت میں مبتلا کرنے والی ہو اس کے دل پر نہایت شاق ہے۔ وہ تمھیں دنیا اور آخرت دونوں کی کلفتوں اور ہلاکتوں سے محفوظ اور دونوں کی سعادتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتا ہے اور اس کی ساری بھاگ دوڑ اور تمام تعلیم و تبلیغ اسی مقصد کے لیے ہے۔ لیکن جو لوگ اسی دنیا کی زندگی کو کل زندگی سمجھے بیٹھے ہیں ان کو اس کی وہ باتیں بہت گراں گزر رہی ہیں جو ان کو اپنے دنیوی مفادات کے خلاف نظر آتی ہیں حالانکہ اگر وہ اس دنیا کے بعد کی زندگی کی اہمیت کو جانتے ہوتے تو ان کو اندازہ ہوتا کہ پیغمبر کی یہ ساری بے قراریاں اور بے چینیاں اپنے لیے نہیں بلکہ خود ان کو ہر کرب اور ہر دکھ سے محفوظ رکھنے کے لیے ہیں۔

خلق کے لیے نبی صلعم کے جذبات

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ یعنی وہ جو اس درجہ تمھارے درپے ہے تو اس میں اس کی اپنی کوئی غرض شامل نہیں بلکہ یہ صرف اس سبب سے ہے کہ وہ تمھارے ایمان و اسلام اور تمھاری صلاح و فلاح کا نہایت حریص ہے۔ جس طرح ایک شفیق باپ اپنی اولاد کے لیے ہر خیر کا متمنی اور حریص ہوتا ہے، اس چیز سے کبھی اس کا دل نہیں بھرتا، اسی طرح اللہ کا رسول تمھارے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں ہر خیر کا حریص اور متمنی ہے۔ پس حیف ہے ان لوگوں پر جو ایسی شفیق اور مہربان ہستی کی قدر نہ کریں۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ، 'رَءُوْف' اور 'رَحِيْم' کے فرق پر ہم دوسری جگہ روشنی ڈال چکے ہیں۔ ایک کے اندر دفعِ شر کا پہلو نمایاں ہے دوسرے کے اندر عطائے خیر اور پائداری رحمت کا۔ یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حسنیٰ میں سے ہیں جو بعینہٖ یہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوئی ہیں جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ خلق کے ساتھ رأفت و رحمت کے معاملے میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل صفاتِ الٰہی کے مظہر تھے۔ یہ ٹکڑا چونکہ بعینہٖ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ کی تفسیر و توضیح ہے اس وجہ سے حرفِ ربط یہاں نہیں ہے تاکہ کامل اتصال کا اظہار رہے۔

پیغمبر صلعم سے خطاب

فَاِنْ تَوَلَّوْا ...... الآیۃ۔ اس آیت میں خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تمھاری بعثت کی شکل میں جو خیرِ عظیم ان کے لیے نازل فرمایا ہے اگر یہ ناقدرے اور ناشکرے لوگ اس کی قدر نہیں کرتے تو اس میں انہی کی تباہی ہے، تمھارا کوئی نقصان نہیں ہے۔ تم ان کے ایمان و ہدایت کے حریص اور ان کی دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح کے لیے بے چین ہو اور اس میں تمھارا نہیں بلکہ سرتاسر انہی کا نفع ہے۔ اگر یہ تمھاری قدر کرتے تو اپنی ہی دنیا اور آخرت سنوارتے لیکن یہ حقیقت ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو تم ان کی پروا نہ کرو بلکہ ان کو صاف صاف سنا دو کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ یعنی میں تمھارا جو حریص ہوں

تو اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے ہی لیے ہوں۔ تم نہیں آتے تو یہ نہ سمجھو کہ میں تنہا اور بے یار و مددگار رہ جاؤں گا۔ میری پناہ، میرا سہارا اور میری قوت و جمعیت میرا اللہ ہے جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ میرا بھروسا اس پر ہے اور وہی اس عرش عظیم کا مالک اور خداوند ہے تو جس کا بھروسا اس عرش عظیم کے رب پر ہے اس کو دوسروں کی ناقدری اور بیزاری کی کیا پروا ہو سکتی ہے!

اس سورہ کی تفسیر میں یہ آخری سطریں ہیں جو آج بروز جمعہ ۹ بجے صبح حوالہ قرطاس ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرمائے اور صحیح باتوں کے لیے دلوں میں جگہ پیدا کرے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

لاہور

۱۵ راگست ۱۹۶۹ء